تنظیم اسلامی کا ترجمان

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

06

www.tanzeem.org

29 جمادی الاوّل تا 5 جمادی الثانی 1440ھ/ 5 تا 11 فروری 2019ء

تیسرا راستہ ممکن نہیں

اللہ تعالیٰ شہنشاہِ کائنات ہے، حیّ و قیوم ہے، جبروتی و ملکوتی صفات کا مالک ہے۔ وہ حکم صادر کرے تو پوری کائنات اس کی اطاعت کرتی ہے۔ اس نے قضاو قدر کا قانون بنایا اور وہ جاری ہے۔ وہ لوگوں کا رزق مقرر کر دیتا ہے اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ وہ موت کا فیصلہ صادر کر دیتا اور کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہے تو صرف ''کُن'' کا حکم دیتا ہے اور چیز وجود پذیر ہو جاتی ہے۔

بندۂ مومن کو اللہ کے حکم پر راضی رہنا چاہیے۔ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ میں بتایا گیا ہے کہ جنت کا راستہ پُر خطر، مشکل اور کٹھن ہے۔ اس راستے میں کوئی پھولوں کی سیج نہیں، نہ داد و تحسین کے استقبالی نعرے ہیں۔ یہاں سر ہتھیلی پر رکھ کے چلنا پڑتا ہے۔ دار و رسن اور طوق و سلاسل منتظر ہوتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جنت غیر پسندیدہ چیزوں سے ڈھانپی گئی ہے اور دوزخ خواہشات میں گھری ہوئی ہے۔'' اب ہمارے لیے دو ہی راستے ہیں، یا تو ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرلیں یا بغاوت و سرکشی کی روش، کوئی تیسرا راستہ ممکن ہی نہیں۔

سید عمر تلمسانیؒ

اس شمارے میں

کشمیر بنے گا پاکستان؟

طلاق کے احکام

سانحہ ساہیوال میں قصوروار کون؟

میزان خونچکاں

ریاکاری سے بچیے!

صلہ رحمی!

حضرت نوح علیہ السلام کی تکالیف اور دعا

الھدیٰ (839)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیات: 76 تا 78

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ۝ وَنَصَرْنٰہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ۝ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَکُنَّا لِحُکْمِھِمْ شٰھِدِیْنَ۝

آیت ۷۶ ﴿وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ﴾ ’’اور نوحؑ کو بھی (ہم نے اپنی ہدایت بخشی) جب اُسؑ نے دعا کی تھی اس سے پہلے‘ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی‘‘

یہ اس دُعا کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ القمر میں نقل ہوئی ہے: ﴿فَدَعَا رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰﴾ کہ پروردگار میں تو مغلوب ہو گیا ہوں‘ اب تو میری مدد فرما اور تو ہی ان کافروں سے انتقام لے۔ آپؑ کی یہ دعا قبول فرمائی گئی اور اس نافرمان قوم کو غرق کر دیا گیا۔

﴿فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ ۝۷۶﴾ ’’تو ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس کے گھر والوں کو بہت بڑے کرب سے۔‘‘

آیت ۷۷ ﴿وَنَصَرْنٰہُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ﴾ ’’اور ہم نے اُس کی مدد کی اس قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔‘‘

﴿اِنَّھُمْ کَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰھُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝۷۷﴾ ’’یقیناً وہ بہت بُرے لوگ تھے‘ تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔‘‘

آیت ۷۸ ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ﴾ ’’اور داوٗدؑ اور سلیمانؑ کو (بھی یہی نعمت عطا فرمائی) جب وہ ایک کھیتی کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے‘ جب اس میں گھس گئی تھیں کچھ لوگوں کی بکریاں۔‘‘

کسی شخص نے اپنی کھیتی میں بڑی محنت سے فصل تیار کی تھی مگر کسی دوسرے قبیلے کی بکریوں کے ریوڑ نے کھیت میں گھس کر تمام فصل تباہ کر دی۔ اب یہ مقدمہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔

﴿وَکُنَّا لِحُکْمِھِمْ شٰھِدِیْنَ ۝۷۸﴾ ’’اور ہم ان کے فیصلے کے وقت وہاں موجود تھے۔‘‘

فرمان نبویؐ

مسلمان کی عزت کا دفاع

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِیْہِ رَدَّ اللّٰہُ عَنْ وَجْھِہِ النَّارَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ)) (رواہ الترمذی)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ’’جس شخص نے اپنے بھائی کی (اس کی غیر موجودگی میں) عزت کا دفاع کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ کو دور کر دیں گے۔‘‘

تشریح: اگر کسی کے سامنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت کی جا رہی ہے اور اس کے عیوب کو بیان کر کے اس کی حیثیت و عزت کو نقصان پہنچایا جا رہا ہو تو وہ اس کو غیبت سے روکے۔ مسلمان کا یہی عمل دنیا و آخرت میں اللہ کی مدد نصرت کا باعث بنے گا۔ ان شاء اللہ

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

29 جمادی الاول تا 5 جمادی الثانی 1440ھ جلد 28
5 تا 11 فروری 2019ء شمارہ 06

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: (042) 35473375-79
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 35869501-03 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 15 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشمیر بنے گا پاکستان؟

کشمیر میں بھارت کی ریاستی دہشت گردی نے جنت نظیر کشمیر کو جہنم بنا دیا ہے۔ بھارتی درندہ صفت فوجیوں کی گولیاں کشمیریوں کے سینے شق کر رہی ہیں۔ پیلٹ گن مرد و زن ہی کو نہیں بلکہ بچوں کو بھی اندھا کر رہی ہیں۔ فوجی بھیڑیوں کی صورت اختیار کر کے چادر اور چار دیواری کو پامال کر رہے ہیں۔ کشمیری آج جان، مال اور عزت کے خسارے سے دوچار ہیں۔ گویا کشمیر میں انسانی المیہ جنم لے رہا ہے۔ لیکن نام نہاد مہذب اور جدید دنیا خاموش ہے اور تماشا دیکھ رہی ہے۔ وہ دنیا جو انسانی حقوق کی علمبردار ہے، وہ دنیا جس نے جمہوریت کو اپنا ایمان قرار دیا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ جمہوری طرزِ حکومت میں مذہبی، علاقائی اور لسانی بنیادوں پر کوئی تفریق نہیں کی جاتی اور بھارت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ لیکن عملی طور پر کشمیریوں کے خون نے بھارتی جمہوریت کے تن من کو ڈبو دیا ہے۔ بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ قرار دیتا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اُسے کشمیری نہیں کشمیر کی سرزمین چاہیے۔

پاکستان کشمیر کے حوالے سے بھارت کی طرح ایک بڑا Stakeholder ہے۔ وہ بھارت کے اس دعویٰ کو جھٹلاتا ہے کہ کشمیر بھارت کا حصہ ہے۔ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ کشمیر برصغیر ہند کی تقسیم کا نامکمل ایجنڈا ہے۔ کشمیریوں کو یہ حق سلامتی کونسل نے دیا تھا کہ استصواب رائے کے ذریعے وہ فیصلہ کریں کہ وہ پاکستان کا حصہ بننا چاہتے ہیں یا بھارت کا حصہ بننا پسند کریں گے۔ بھارت کشمیریوں کے ساتھ جو سلوک کر رہا ہے وہ دنیا کے سامنے ہے۔ انسانی تاریخ میں ظلم و ستم کی ایک نئی داستان رقم ہو رہی ہے اگرچہ ہم نے اس کے بارے میں چند جملے تحریر کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن درحقیقت یہ انسانیت سوز سلوک ناقابلِ بیان، ناقابلِ تحریر ہے۔ البتہ آج ہم جائزہ لیں گے کہ پاکستان نے کشمیر کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کو کس حد تک پورا کیا ہے۔ ہمارا طرزِ عمل تقسیم ہند کے وقت کیا تھا اور آج کشمیر کو بھارت کے ظالمانہ شکنجے سے چھڑانے میں ہم کس قدر سنجیدہ ہیں؟

آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانانِ ہند کے لیے الگ وطن حاصل کرنے کے لیے جو جدوجہد کی وہ یقیناً قابلِ صد تحسین ہے۔ عام مسلمان نے بھی مال، جان اور عزت داؤ پر لگا دی اور پاکستان کے نام سے الگ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہندو اور انگریز سے یہ منوا لیا کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی وہ پاکستان کا حصہ بنیں گے۔ اس کامیابی کے بعد مسلم لیگ نے ایک ایسی غلطی کا ارتکاب کیا جس سے بھارت کو کشمیر ہتھیانے میں آسانی ہو گئی وہ غلطی یہ تھی کہ مسلم لیگ نے کانگریس کو یہ تجویز پیش کر دی کہ ہندوستان میں جو ریاستیں ہیں مثلاً حیدر آباد دکن، جونا گڑھ اور کشمیر وغیرہ جہاں راجوں اور والیانِ ریاست کی حکومت ہے ان ریاستوں کا فیصلہ کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کریں

گی یا بھارت کے ساتھ وہاں کے عوام نہیں بلکہ راجے اور والیان ریاست طے کریں گے۔ شاید ان کی نظر حیدر آباد دکن پر تھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہونے کے باوجود نظام دکن مسلمان تھا اور وہ ایک امیر کبیر ریاست تھی جس کی دولت نوزائیدہ پاکستان کے اقتصادی مسائل حل کر سکتی تھی۔ لیکن مسلم لیگی قیادت یہ بھول گئی کہ کشمیر میں اگرچہ مسلمان اکثریت میں ہیں لیکن راجہ ہندو ہے۔ لہٰذا کانگریس کو کشمیر میں واردات ڈالنے کا موقع خود مسلم لیگ نے مہیا کر دیا۔ بعد ازاں 1948ء کی وہ جنگ جو قبائلیوں نے میدان جنگ میں جیتی تھی اور کشمیر فتح کرتے ہوئے جموں کے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ گئے تھے وہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہار دی اور اس ہندو کا اعتبار کر لیا جس کی دھوکہ بازی اور مکاری کو مسلمان ایک ہزار سال سے جانتے تھے۔ سلامتی کونسل کی اس قرارداد سے ہم آج تک اپنا دل بہلا رہے ہیں۔ 1962ء میں جب بھارتی فوجی میدان جنگ میں جوتیاں چھوڑ کر چین کے خوف سے بھاگے جا رہے تھے چین نے پاکستان کو کہا کہ کشمیر خالی پڑا ہے، آپ کی افواج کو واک اوور مل جائے گا۔ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ وہ وقت تھا جب بھارت کے شکنجے سے کشمیر کو آزاد کروانا انتہائی آسان تھا۔ لیکن ہمارے فیلڈ مارشل نے جو امریکہ سے دوستی پر بڑے اِتراتے تھے، انہوں نے امریکہ کی یقین دہانی کو قبول کر لیا کہ ہند چین جنگ کے بعد مذاکرات سے آپ کو کشمیر دلا دیں گے۔ فوجی ہونے کے باوجود وہ یہ بات نہ سمجھ سکے کہ جس بھارت کی محبت میں امریکہ وہاں اسلحہ کے انبار لگا رہا ہے، وہ کیسے پاکستان کو مذاکرات کے ذریعے کشمیر دلائے گا۔ 1965ء میں ہم نے ہوم ورک کیے بغیر اور کشمیر کی اندرونی صورت حال کو سمجھے بغیر وہاں درانداز داخل کر دیے جن سے علاقائی لوگوں نے تعاون نہ کیا لہٰذا بیل منڈھے نہ چڑھی اور پاک بھارت جنگ چھڑ گئی ہمیں کشمیر بھول کر پاکستان کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی اس جنگ نے یہ بھی ثابت کیا کہ منصوبہ بندی اور مناسب طاقت حاصل کیے بغیر کشمیر بھارت سے چھینا نہیں جا سکتا۔ افغانستان میں سوویت یونین شکست و ریخت کا شکار ہوا۔ یقیناً اس کامیابی میں مجاہدین کا حصہ تھا۔ ان کی اس کامیابی سے متاثر ہو کر ہم نے ان مجاہدین کو کشمیر کی راہ دکھائی جبکہ کشمیر اور افغانستان کے حالات میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ لہٰذا وہاں ہونے والی کارروائیوں کو دنیا نے دوسرے ملک میں دراندازی اور دہشت گردی کا ارتکاب قرار دیا۔ اس سے اگرچہ بہت سے بھارتی فوجی جہنم واصل ہوئے لیکن کشمیریوں کے جان و مال کا نقصان کہیں زیادہ ہوا۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ آغاز سے ہی اس بات کے زبردست پرچارک تھے کہ کشمیریوں کو غیر مسلح عوامی تحریک برپا کرنا چاہیے جو عدم تشدد کے فلسفے کو اپنائے، کشمیریوں نے یہ راستہ 1989ء میں اختیار کیا۔ اس تحریک کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور بھارتی حکومت بہت پریشان ہوئی۔ اب دنیا اسے دہشت گردی تسلیم کرنے سے انکاری ہے۔ جولائی 2016ء میں جب برہان وانی کی شہادت ہوئی تو اس تحریک میں زبردست تیزی آ گئی ہے۔ کشمیری کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ موت کا خوف جاتا رہا۔ ظلم نے تحریک میں اور شدت پیدا کر دی ہے۔ کشمیر میں اب بھارت کا ظلم و ستم اور درندگی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ اس کے پُشتی بان برطانیہ اور امریکہ بھی چیخ اُٹھے ہیں۔ لیکن بھارت کے تیور صاف نظر آ رہے ہیں کہ وہ کشمیریوں کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ رکھتا ہے کشمیر چھوڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ کشمیری ہر شہید کے تابوت کو پاکستان کے پرچم میں لپیٹتے ہیں۔ پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں، کشمیر کا اس وقت مقبول ترین نعرہ ’’پاکستان سے رشتہ کیا لا الٰہ الا اللہ‘‘ ہے۔

اب آئیے! اس اہم ترین سوال کی طرف جو ہر پاکستانی سے متعلق ہے۔ اس پر غور کریں کشمیریوں کا نعرہ کہ پاکستان سے ہمارا رشتہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ہے۔ لیکن اگر پاکستان میں ہی عملی طور پر کلمہ طیبہ نظر نہ آیا، نہ سیاست میں، نہ معاشرت میں، نہ معیشت میں تو پھر وہ اپنا رشتہ کس سے قائم کریں گے؟ کیا قرضوں میں جکڑا ہوا پاکستان؟ کیا داخلی انتشار سے مضمحل پاکستان؟ کیا سپر پاورز سے خوفزدہ پاکستان اہل کشمیر کے لیے کشش رکھے گا؟ وہ ایسے پاکستان سے کیوں الحاق کریں گے یا اُس کا حصہ بنیں گے جس کی سلامتی پر بڑا سوالیہ نشان لگ چکا ہے؟ ذرا چشم تصور سے دیکھیں کہ کیا پاکستان ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست ہے؟ جس میں قرآن و سنت کو بلا استثناء بالادستی حاصل ہے۔ جس سے ملک کے ہر شعبہ میں عدلِ اجتماعی قائم ہو جاتا ہے۔ پاکستان جنت نظیر ریاست بن جاتی ہے۔ نتیجتاً پاکستان ایک مضبوط و مستحکم ریاست کی صورت میں سامنے آتا ہے تو کیا پھر کشمیریوں کے جذبہ حریت اور پاکستان سے آ ملنے کی خواہش پوری بھارتی فوج بھی روک سکے گی؟ ہرگز نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسی صورت میں کشمیریوں کی یہ تحریک خود بھارت کی سلامتی کو بہا لے جائے گی۔ بھارت مجبور ہو جائے گا کہ وہ اپنی مکمل ٹوٹ پھوٹ کو بچانے کے لیے کشمیر سے نکل آئے۔ گویا اہلِ پاکستان کے کندھوں پر پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے حوالہ سے ڈبل بوجھ ہے۔ اسی صورت میں نظریۂ پاکستان کی تکمیل ہو گی اور اسی صورت میں برصغیر کی تقسیم کا نامکمل ایجنڈا پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے گا یعنی کشمیر بھارت کے وحشیانہ ظلم و ستم سے نجات پا کر پاکستان کا حصہ بن سکے گا۔ اور اہم ترین بات یہ کہ یہی جدوجہد ان کی اُخروی نجات کا باعث بھی بنے گی۔ ان شاء اللہ

طلاق کے احکام

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں تنظیم اسلامی کے ناظم مالیات محترم اعجاز لطیف کے 25 جنوری 2019ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

مرتب: ابوابراهیم

محترم قارئین! میاں بیوی کا رشتہ ایک مقدس رشتہ ہے۔اس سے قبل ہم اس رشتے کی مضبوطی کے حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مطالعہ کر رہے تھے۔اس رشتے کو قائم رکھنے کے لیے اسلام نے بہت تاکید ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر اس رشتے کے ٹوٹنے کی نوبت آجائے یعنی طلاق کی نوبت آجائے تو اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تفصیلی ہدایات دی ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ گھر میں اگر ناچاقی ہوجائے تو اس کا پہلا اور آخری علاج طلاق نہیں ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور وہ خواتین جن کے بارے میں تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو پس ان کو نصیحت کرو'' (النساء:34)

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قوام بنایا ہے اور عورت کو بھی اس کے فرائض بتا دیے ہیں۔اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ اگر خدانخواستہ ایسا معاملہ ہو کہ عورتوں کے بارے میں تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ ان کے اندر سرکشی ہے یعنی وہ مرد کی قوامیت کو چیلنج کر رہی ہیں جس سے گھر کے ادارے میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں پہلے شوہر اپنی بیوی کی غلط فہمی کو دور کرے اور اگر وہ واقعی جان بوجھ کر غلط روش اختیار کیے ہوئے ہے تو سمجھا بجھا کر اسے صحیح روش پر آنے کی تلقین کرے۔اگر بات بن جائے تو معاملہ یہیں پر ختم ہو جائے گا۔عورت اور مرد دونوں رنج وغم سے بچ جائیں گے۔اگر خدانخواستہ اس طرح نہ سمجھے تو مزید نصیحت کے لیے:

''اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو''

یعنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے بیوی کا بستر علیحدہ کر دیں۔یہ ایک معمولی سزا لیکن بہترین تنبیہ ہے اور اس سے عورت متنبع ہو جائے گی کہ معاملہ یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔لیکن پھر بھی اگر وہ نصیحت نہ پکڑے تو:

﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ﴾ ''اور ان کو مارو''

تیسرے درجے میں خاوند کو معمولی مار مارنے کی اجازت دی گئی ہے جس کی حد یہ ہے کہ بدن پر اس مار کے نشان نہ پڑیں، اسی طرح چہرے پر نہ مارا جائے۔

''پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف (خواہ مخواہ زیادتی کی) راہ مت تلاش کرو۔''

اگر اس معمولی تادیب سے معاملہ درست ہو جائے۔یعنی تعلقات بحال ہو جائیں تو شوہر اپنی ہر بات منوانے کی ضد نہ کرے بلکہ عفو و درگزر اور چشم پوشی سے کام لے اور حتی الامکان نباہ کرنے کی کوشش کرے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شوہر کے حوالے سے بھی بتایا ہے کہ:

''اور اگر کسی عورت کو اندیشہ ہو اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رخی کا تو ان دونوں پر کوئی الزام نہیں ہوگا کہ وہ آپس میں صلح کر لیں۔اور صلح بہر حال بہتر ہے۔البتہ انسانی نفس پر لالچ مسلط رہتا ہے۔اور اگر تم احسان کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو جان لو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔'' (النساء:128)

یعنی اگر بیوی یہ محسوس کرے کہ میری کسی کمزوری (وہ کمزوری جسمانی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ اولاد کا نہ ہونا) کی وجہ سے شوہر کا تعلق مجھ سے کمزور ہوتا جا رہا ہے اور اندیشہ ہے کہ شوہر مجھے چھوڑ دے گا یا بالکل معلق کر دے گا یعنی نہ شوہر والی نہ بغیر شوہر والی بنا کر رکھ دے گا تو ایسی صورت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اجازت دیتے ہیں کہ میاں بیوی کسی مصالحت پر متفق ہو جائیں۔مثلاً بیوی اپنا حق مہر معاف کر دے یا اس میں سے کچھ کمی کر دے۔یا اگر خدانخواستہ اس عورت کو کوئی جسمانی عوارض ہیں تو وہ دوسری بیوی کے حق میں دست بردار ہو جائے، یعنی شوہر کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دے دے۔یا دوسری بیوی کے برابر تمام مراعات لینے کا اصرار چھوڑ دے۔ایسی کوئی بھی مصالحت کی صورت نکل آئے تو اس کو قبول کرنا زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ نکاح کو توڑ دیا جائے۔کیونکہ مسلمان معاشرے میں اولاد اور میاں بیوی کے درمیان مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ گھر اجڑنے نہ پائے۔اس کے بہت زیادہ منفی اثرات ہوتے ہیں۔

اس آیت میں زیادہ ترغیب مردوں کے لیے ہے۔کیونکہ ایثار، تقویٰ اور قربانی دراصل مرد کے زیادہ شایانِ شان ہے۔اس لیے فرمایا کہ مرد کو چاہیے کہ وہ اپنی مردانگی کی لاج رکھے اور بیوی کو ایثار وقربانی پر مجبور کرنے کی بجائے خود اس کے لیے نمونہ بنے یعنی اس کی کمیوں کوتاہیوں کے باوجود اگر وہ رشتہ برقرار رکھتا ہے، جائز شکایات کے باوجود درگزر کرتا ہے اور حتی الامکان نیکیوں میں آگے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں اجروثواب کا مستحق ٹھہرے گا۔کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سب کے دلوں کا حال جاننے والا ہے۔

ان ہدایات میں یہ بات پیش نظر تھی کہ گھر کا معاملہ گھر میں ہی حل ہو جائے تو بہتر ہے لیکن خدانخواستہ اس کے باوجود مسئلہ نہیں حل ہوتا اور ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ کوئی فریق سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے اور جھگڑا طول پکڑ گیا

ہے۔شوہر بے جا تشدد اور زیادتی کر رہا ہے یا بیوی کسی طرح سے بھی راہ راست پر نہیں آ رہی تو اس کا حل بھی قرآن مجید نے بتا دیا کہ:

''اور اگر تم کو میاں بیوی کے درمیان افتراق کا اندیشہ ہو تو ایک حَکم مرد کے خاندان سے مقرر کرو اور ایک حَکم عورت کے خاندان سے۔ اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور باخبر ہے۔''

یعنی اس صورت میں دونوں کے گھر والوں کی طرف سے ایک ایک منصف بنایا جائے۔ یہ پاکیزہ طریقہ ہے کہ برادری کے سربراہ، معاملہ فہم حضرات یا ارباب حکومت دو حَکم (فیصلہ کرانے والے) مقرر کریں۔ ایک شوہر کے خاندان کی طرف سے اور دوسرا بیوی کے خاندان کی طرف سے ہو۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ صلح کرانے والے دونوں صاحب علم ہوں یعنی دین کے تقاضوں کا ان کو فہم ہو، دیانتدار ہوں، نیک نیت ہوں اور وہ دل سے چاہتے ہوں کہ ان کے درمیان صلح ہو۔ یہ نہیں کہ اپنے اپنے موکل کا بے جا دفاع مقصود ہو۔ ایسی صورت میں تو صلح کے کوئی امکانات نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ دونوں صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اور دعا کر کے کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس معاملے میں جو بہتر راستہ ہے وہ پیدا فرما دے۔ اگر وہ اللہ سے راہنمائی طلب کرتے ہوئے صلح صفائی کی پوری کوشش کریں گے اور اخلاص کے ساتھ کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی امداد ہوگی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے اور اللہ ان دونوں کے ذریعے میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔

قرآن مجید ہمیں اس حد تک تعلیم دے رہا ہے کہ خدانخواستہ اگر گھر میں ناچاقی ہو تو اس کو ان تعلیمات کی رو سے حل کرنا چاہیے۔ کیونکہ نکاح کا مقصد طلاق دینا نہیں ہے بلکہ نکاح ایک infinite معاہدہ ہے اور عمر بھر کے لیے ہے۔ اس کو توڑنے کی نوبت آنی ہی نہیں چاہیے کیونکہ نکاح کو توڑنے کے اثرات صرف میاں بیوی پر ہی نہیں پڑتے بلکہ پورے پورے خاندان تباہ ہوتے ہیں، نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں، بچے بے سہارا ہو جاتے ہیں اور ان کی سرپرستی نہیں رہتی۔ اس محرومی کی وجہ سے وہ طرح طرح کے مجرم بنتے ہیں اور معاشرے کے لیے فساد کھڑا کرتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے اتنی تفصیل کے ساتھ فیملی لائف کے حوالے سے ہمیں ہدایات دی ہیں تاکہ یہ رشتہ زیادہ مستحکم ہو اور کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ

''اللہ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا ہے جو اللہ کو طلاق سے بڑھ کر ناپسندیدہ ہو۔''

طلاق بالکل آخری مرحلہ ہے جب اصلاح کی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں اور کسی طریقے سے اتفاق نہ ہو رہا ہو، ازدواجی زندگی سے مطلوبہ ثمرات اور نتائج حاصل نہ ہو رہے ہوں تو ایسے حالات میں اب میاں بیوی کو زبردستی کے بندھن میں جکڑے رکھنا دین فطرت کا تقاضا نہیں ہے۔ ایسی صورت میں شریعت نے خاوند کو طلاق کا حق دیا ہے لیکن یہ کہہ کر دیا ہے کہ اس اختیار کو استعمال کرنا بہت ہی ناپسندیدہ، مبغوض اور مکروہ ہے۔ صرف مجبوری میں اس کی اجازت ہے۔ اس کا طریقہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں باقاعدہ بتا دیا اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ بدقسمتی سے آج معاشرے میں اس حوالے سے آگاہی ہی نہیں ہے تو پھر اس پر عمل کیسے ہوگا؟ یہاں تو کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں اور گھر سے نکال باہر کیا جاتا ہے اور وہ بیچاری بے سہارا ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس ضمن میں کسی بھی قسم کے ظلم اور ناانصافی سے بچنے کے لیے بھی قرآن نے ہدایات دی ہیں۔ سورۃ الطلاق کی پہلی آیت میں فرمایا:

''اے نبی (ﷺ!) جب آپ لوگ اپنی عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے حساب سے طلاق دو اور عدت کا پورا لحاظ رکھو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جو تمہارا رب ہے۔''

پریس ریلیز یکم فروری 2019ء

اسلامی نظریاتی کونسل کی چار رکنی ٹاسک فورس جید علماء پر مشتمل ہونی چاہیے

افغانستان سے امریکی انخلاء خوش آئند ہے لیکن امریکہ افغانستان میں امن میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا

افغان طالبان میدان میں جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر خطرے میں نہیں ڈالیں گے

حافظ عاکف سعید

اسلامی نظریاتی کونسل کی چار رکنی ٹاسک فورس جید علماء پر مشتمل ہونی چاہیے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے اپنے ایک بیان میں کہی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو ریاست مدینہ کے مثل بنانے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کی بیس رکنی کمیٹی نے جو سفارشات پیش کی ہیں اگرچہ وہ خوش آئند ہیں لیکن ان پر عمل درآمد کی تجاویز پیش کرنے کے لیے جو چار رکنی ٹاسک فورس تشکیل دی گئی ہے اس پر ہمیں شدید تحفظات ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ جدت پسند اور مغرب سے مرعوب دانشور اس ٹاسک فورس میں غالب اکثریت میں ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو چاہیے کہ وہ اپنے اس فیصلے پر نظر ثانی کرے اور اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لیے ثقہ علماء پر مشتمل ایک نئی ٹیم تشکیل دے۔ افغانستان سے امریکی انخلاء کے حوالے سے دوحہ میں ہونے والے مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ اگرچہ افغانستان میں امن کے قیام کی کوشش خوش آئند ہے لیکن پاکستان میں سابق امریکی سفیر کے بیانات، افغانستان میں داعش جیسی دہشت گرد تنظیموں کو امریکی امداد اور امن مذاکرات کو ناکام بنانے کے لیے راء اور موساد کے سرگرم ہونے کی اطلاعات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ امریکہ افغانستان میں امن میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ انہوں نے کہا کہ افغان طالبان کو امریکہ کی دھوکہ بازی سے بھرپور تاریخ کا یقیناً علم ہوگا لہٰذا وہ میدان میں جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر خطرے میں نہیں ڈالیں گے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت، تنظیم اسلامی)

اللہ کا حکم ماننا ہی دراصل تقویٰ ہے اور یہاں اللہ کا حکم ہے کہ طلاق کے معاملے میں غلطیاں نہ کرو۔ پہلی غلطی یہ ہوتی ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں۔ دوسری غلطی کھڑے کھڑے گھر سے باہر نکال دینا ہے حالانکہ خالق و مالک کیا کہہ رہا ہے کہ:

﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ م بُيُوْتِهِنَّ﴾ ''انہیں مت نکال باہر کرو ان کے گھروں سے'' (الطلاق:1)

یعنی طلاق دینے کے بعد بھی گھر سے مت نکالو۔ کیونکہ جتنا وہ تمہارا گھر ہے، اتنا ہی اس کا بھی گھر ہے۔ گھر کو دونوں میاں بیوی نے مل کر بنایا تھا۔ دونوں کی اس میں کوششیں شامل تھیں لیکن اب اگر ناچاقی ہوگئی تو اس کے ساتھ یہ سلوک روا رکھنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ طلاق کوئی ایسا ایگریمنٹ نہیں کہ جس کو کچے دھاگے کی طرح توڑ دیا جائے بلکہ اس میں وقت درکار ہے۔ پہلی طلاق تو ایک طرح کا نوٹس پیریڈ ہے۔ یعنی آپ نے طلاق دی مگر اس کے باوجود ابھی نکاح کا ایگریمنٹ ختم نہیں ہوا۔ آگے فرمایا:

''اور وہ خود بھی نہ نکلیں، سوائے اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا۔'' (الطلاق:1)

یعنی یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ناراضگی ہو اور بیوی گھر چھوڑ کر چلی جائے۔ اللہ یہاں حکم دے رہا ہے کہ بیوی خود بھی گھر سے نہ نکلے۔ لیکن اگر طلاق کے بعد بھی بے حیائی جاری ہے تو پھر اس کا اس گھر میں رہنے کا جواز نہیں بنتا کیونکہ وہ خود اس گھر سے دستبرداری اختیار کر رہی ہے۔

''اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو اُس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔'' (الطلاق:1)

یعنی شوہر کے گھر میں عدت پوری کرنے میں حکمت یہ بھی ہے کہ اگر وہ دونوں آپس میں صلح کے ساتھ رہنا چاہیں اور اپنے نکاح کو نہ توڑنا چاہیں تو ان کے لیے آسانی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب عورت پیریڈ سے پاک ہوئی ہو یعنی طہر کی حالت میں ہو اور اس کے بعد میاں بیوی نے ہم بستری نہ کی ہو تو اس وقت اس کو طلاق دینی چاہیے۔ لیکن ساتھ یہ بھی خیال رکھنا ہوگا کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں عدت بدل جاتی ہے۔ اگر حاملہ نہیں ہے تو عدت تین پیریڈ ہے۔ لیکن تین پیریڈز کا شمار ایسے ہوگا کہ اس عورت کا ایک پیریڈ ختم ہوا ہو اور اس کے بعد میاں بیوی والا تعلق قائم نہیں ہوا تو اب گنتی آسان ہے لیکن اگر درمیان میں تعلق ہوا تو پھر اس کی عدت بڑھ جائے گی۔ ان احکامات سے معلوم ہوا کہ اول تو طلاق بے وجہ نہیں دی جاسکتی اور اگر دینی بھی پڑ جائے تو عدت کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ سورۃ البقرہ میں فرمایا گیا کہ:

''اور جن عورتوں کو طلاق دے دی جائے اُن پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔'' (آیت:228)

تاکہ پتا چل جائے کہ عورت اگر حاملہ ہے تو پھر ڈلیوری تک عدت کی توسیع ہوگی۔ یعنی اب اس کو گھر سے نکالنے والا حکم تین پیریڈ والا نہیں ہوگا بلکہ جب تک ڈلیوری نہیں ہو جاتی وہ اسی گھر میں رہے گی۔ معلوم ہوا کہ طلاق کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں۔ یہ نہیں کہ بس طلاق دی اور گھر سے نکال دیا۔ بلکہ طلاق دینے کا احسن طریقہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی میں صلح صفائی نہ ہو رہی ہو اور طلاق کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ہو تو جب بیوی اپنے پیریڈ سے پاک ہو اور اس کی پاکی کے زمانے میں خاوند نے اس کے ساتھ صحبت نہ کی ہو تو خاوند صاف الفاظ میں بیوی کو صرف ایک طلاق دے۔ تین طلاق ایک ساتھ دینا ظلم اور زیادتی ہے اور یہ ظلم کرنے والوں پر اللہ کے رسول ﷺ نے بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اصل حکم یہ ہے کہ ایک طلاق ہونی چاہیے۔ اس کے بعد اب وہ بیوی عدت کے تین پیریڈز تک اسی گھر میں رہے گی اور اگر اس دوران پتا چلتا ہے کہ وہ حاملہ ہے تو پھر ڈلیوری تک وہ خاوند کے گھر میں ہی رہے گی اور اس کی ساری ضروریات بھی اسی طریقے سے پوری ہوں گی۔ قرآن مجید یہاں تک کہتا ہے کہ ان کو وہیں پر سکونت فراہم کرو جہاں تم رہتے ہو۔ یہ نہیں کہ خود تو بنگلے میں رہ رہے ہو اور بیوی کو سرونگ کوارٹرز میں بھیج دیا۔ پہلی طلاق سے رشتہ ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک طرح کا نوٹس ہے۔ عدت کے دوران ہو سکتا ہے اللہ کوئی راستہ نکال دے اور ان دونوں کی صلح صفائی ہو جائے۔ لیکن جب تین طلاقیں اکٹھی دی جاتی ہیں تو پھر بعد میں لوگ فتوے ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی راستہ مل جائے۔ اس کی بجائے اگر ایک طلاق دے گا تو اسے اپنی غلطی کی اصلاح کا موقع مل جائے گا۔ ایک طلاق دینے کے بعد عدت کے دوران جیسے ہی اس کو یہ احساس ہو کہ یہ تو میں نے غلط کام کر لیا تو وہ اس کو زبان سے کہہ دے کہ میں نے تمہارے ساتھ رجوع کر لیا، یا میاں بیوی والا تعلق قائم کر لے تو اس سے رشتہ بحال ہو جاتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ پیریڈز کے دوران تو خاتون بچاری پہلے ہی پریشان کن صورت حال میں ہوتی ہے، اس وقت شوہر صاحب کو بھی غصہ آ گیا اور اس نے طلاق دے دی تو زیادتی ہوگی۔ جب وہ نارمل حالات میں ہو تو ممکن ہے کہ اس وقت ویسے ہی غصہ تھم جائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے اور اگر خدانخواستہ دے بھی دی تو اس کے بعد خاتون اسی گھر میں نارمل طریقے سے رہے گی تو خیال آئے گا کہ اس سے پہلے تو ہمارے اتنے اچھے تعلقات تھے، اب ذرا سی بات پر خواہ مخواہ ہم نے اپنا رشتہ ختم کر لیا ہے۔ جب گھر میں رہے گی تو دوبارہ کشش بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کو طلاق دیتے ہی میکے بھیج دیا تو وہ بات جو گھر کے اندر ختم ہو سکتی تھی اب پورے محلّہ کا مسئلہ بن جائے گی۔ ظاہر ہے جب بچی روتی پیٹتی گھر آ گئی اور سامان بھی واپس آ گیا تو اب کون سی مصالحت کی شکل باقی رہے گی۔ اسی طرح حمل کی عدت میں بھی بہت بڑی حکمت ہے کہ کسی وقت بھی ذہن بدل سکتا ہے کہ اللہ ہمیں اولاد دے رہا ہے لیکن ہم علیحدگی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کی ان کمزوریوں کا پتا تھا اس کے مطابق ہی قانونِ طلاق دیا۔ رجوع کا افضل طریقہ یہ ہے کہ جب شوہر رجوع کرے تو دو بندوں کو گواہ بنالے۔ لیکن اگر اس کے بغیر صرف میاں بیوی والا تعلق ہی قائم ہو جائے تو اس سے بھی رجوع ہو جائے گا۔ لیکن اگر عدت کی مدت پوری ہوگئی تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کی علیحدگی ہوگئی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر شوہر کو احساس ہو جائے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو عدت کے دوران رجوع کی آپشن ابھی بھی برقرار ہے۔ اس کے بعد جب عدت پوری ہوگئی تو اب دوسری طلاق واقع ہوگئی لیکن ابھی بھی آپشن موجود ہے کہ نکاح کے ذریعے سے رشتہ بحال ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے دو مراحل میں طلاق دے دی ہے تو تیسری سوچ سمجھ کر دے کیونکہ اس کے بعد رجوع کا آپشن نہیں ہے۔

حلالہ: تیسری طلاق کے بعد واپسی کا ایک آپشن ہے لیکن وہ بہت مشکل اور طویل ہے کہ اس عورت کے ساتھ زندگی گزارنے کی نیت سے کوئی دوسرا شخص نکاح کرے، پھر اس کے ساتھ بھی اگر اس کی شادی نبھ نہ سکی اور وہ شوہر بھی اسے طلاق دے دے یا اس شخص کا (باقی صفحہ 13 پر)

انجینئر مختار فاروقی
0301-6998587
Email:hikmatbaalgha@yahoo.com

محکماتِ عالمِ قرآنی 3

4۔ حکمت خیر کثیر است

7 دل اگر بندد بہ حق' پیغمبری است — ور ز حق بیگانہ گردد' کافری است!

اگر انسانی معاشرے میں عالموں کا علم (اپنے مشاہدے اور غور و فکر کے نتیجے میں) دل کو حق یعنی خالق کائنات سے ملائے (پہچان پیدا کرے) تو یہ پیغمبری (DIVINE INSPIRATION) یعنی پیغمبروں والا کام ہے اور اگر علم حق سے بے گانہ (سیکولر اور لبرل) بنا دے تو یہی کافری ہے

8 علم را بے سوزِ دل خوانی شر است — نورِ او تاریکئ بحر و بر است!

انسانی مشاہدہ اور غور وفکر اگر بے روح (سوزِ دل سے خالی) ہے تو ایسا علم 'شر' اور انسان دشمن ہے اور اس کا حاصل بحر و بر میں (خدا بے زاری اور وحی دشمنی کے ساتھ علم دشمنی کی) گہری تاریکی پھیلا دیتا ہے

9 عالمے از غازِ او کور و کبود — فرودینش برگ ریزِ ہست و بود

(روحِ انسانی کے انکار پر جو) علم پھیلے گا اس کے دھوئیں بخارات (گیس) سے تمام عالم میں اندھیرا چھا جائے گا ایسے علم کا فروغ (بہار) انسانیت کے لیے خزاں (پت جھڑ) ثابت ہوگا (انسان صرف حیوانی جبلتوں کے تحت زندگی گزار کر حیوان بن جائے گا)

7۔ اے مردِ مسلمان! کسی قوم، معاشرہ یا تہذیب کا 'علم' ہی اس کو ایک شناخت دیتا ہے جو اس کو باقی قوموں، معاشروں اور تہذیبوں سے جداگانہ تشخص عطا کرتا ہے۔ کسی قوم، معاشرہ یا تہذیب کا علم ناقص ہوگا تو اس قوم کی شناخت اور ہوگی اس کے نظریات، کھانے، لباس، کھیل کود کے طریقے اور 'مذہب' ایک خاص ڈھب پر ہوں گے اس کے برعکس اگر کسی قوم کا 'علم' حکمت پر مبنی ہو جیسے قرآن مجید نے خیر کثیر کہا ہے تو اس قوم کی شناخت اور تشخص مختلف ہوگا اس کے نظریات، کھانے، لباس، کھیل کود کے طریقے، تہوار شادی بیاہ اور موت فوت کے طریقے ناقص علم والوں سے قطعاً مختلف ہوں گے۔ کسی قوم معاشرہ یا تہذیب کے علم سے ہی کائنات کے بارے میں کس نے؟ اور کس لیے؟ بنائی ہے اور اب اس بنانے والے کا انسانوں کے روئے ارضی پر اس جم غفیر (آج انسانی آبادی 7500 ملین ہے) کی رہنمائی کے لیے اس نے زندگی گزارنے کا کیا طریقہ دیا ہے؟ 'علم' حکمت پر مبنی ہوگا تو ان سوالوں کا جواب محکماتِ قرآنی کی طرف لے جائے گا۔ اس کائنات کا ایک خالق ہے اس نے تنہا اس کو پیدا کیا ہے انسان کو اچھائی برائی کی تمیز دے کر اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اصل زندگی (ہمیشہ کی زندگی) مرنے کے بعد ہے۔ اس نے انسان کی رہنمائی کے لیے پیغمبر علیہم السلام بھیجے جن میں حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر اور قرآن آخری ہدایت ہے۔ علم انسان کو یہ سکھائے تو پیغمبرانہ ہدایت ہے اور یہ خدا شناسی اور معرفت کی راہ ہے جبکہ علم انسان کو بے راہ روی، خدا بے زاری، سیکولرازم، لبرل ازم بے حیائی اور عریانی سکھائے تو یہی علم کافری ہے اور خدا کا انکار ہے۔

8۔ اے ابنِ آدم! ایسا علم جو حکمت سے خالی ہو اور قرآنی محکمات کے مخالف ہو وہ علم خدا بے زاری، دین دشمن، انسان دشمن اور علم دشمن ہے اور سراسر شر ہے۔ خلافت آدم، حکومتِ الٰہی، الارض اللہ کے ساتھ خیر کثیر بھی ہو تو یہ حقیقت انسان کی روشنی پھیلانے والا علم ہے۔ ان محکمات کے بغیر علم انسان کو حیوان بنا دیتا ہے۔ انسان اپنی جبلتوں کے تحت حیوانی سطح پر زندگی گزارتا ہے۔ اس علم کے فروغ سے جو 'نور' پھیلتا ہے وہ شیطانی ابلیسی اور صیہونی علم ہے جو حقیقتاً کائنات میں چار سُو، بحر و بر میں ظلمت بکھیر دیتا ہے اور خدا شناسی، وحی شناسی، خدا کی زمین پر بستے ہوئے اور خدا کا رزق کھاتے ہوئے بھی خدا بے زاری کے جذبات پروان چڑھتے ہیں انسان بے ضمیر اور مردہ ضمیر اور بے حیا بن جاتا ہے، عریانی، فحاشی مرد و زن کا سرعام اختلاط ہی ترقی اور علم کا نشان بن کر رہ جاتا ہے۔ تخیّل کی بلندی، ذوق لطیف اور روحِ عفیف (انسانیت) نام کو نہیں ملتی۔

9۔ اے ابنِ آدم! بے سوز یقین علم جب پھیلتا ہے تو وہ علم حکمت سے تہی دامن ہوتا ہے اس عالم میں اعلیٰ سندات کے ساتھ آدمی جب لوٹتا ہے تو وہ حیوان بن کر اپنے شاگردوں کے سامنے آتا ہے۔ اس علم کے اثرات جو انسان کے رگ و پے میں سرایت اور معاشرے میں پھیلتے ہیں تو معاشرے میں شراب، زنا، بے حیائی، عریانی، فحاشی، ناچ گانا اور اختلاطِ مرد و زن پھیل جاتا ہے جس سے اخلاقی تعفن پیدا ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے اہل علم (اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد) اندھے اور اندھیرا پھیلانے والے بن جاتے ہیں۔ ایسے علم کا فروغ اور بہار انسانی معاشروں اور تہذیبوں کے لیے خزاں اور انسانی اقدار کے زوال کا نشان بن جاتا ہے۔ انسانی معاشرہ اور خاندان تباہ ہو جاتے ہیں گھریلو زندگی (مرد و زن ایک دوسرے سے باغی ہو جاتے ہیں) تباہ ہو جاتی ہے پُرسکون گھریلو زندگی جو اولاد کے لیے ازحد ضروری ہے، ناپید ہو جاتی ہے نئی نسل' بے راہ روی کا شکار ہو کر اخلاقی برائیوں میں تباہ ہونے لگتی ہے (آج 2019ء کا معاشرہ اسی بے نور علم کے فروغ اور بہار کا نقشہ پیش کر رہا ہے اور پرانی نسل اپنی آنکھوں سے انسان اور اپنی اولاد کا اخلاقی مستقبل تباہ ہوتے دیکھ رہی ہے)۔

انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کرنے کے بعد عوام کو غلاموں کی طرح treat کیا اور قانون نافذ کرنے والے ایسے ادارے قائم کیے جو عوام پر حکومت کی دہشت اور دبدبہ قائم کریں۔ آزادی کے بعد بھی ان اداروں کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی: ایوب بیگ مرزا

ففتھ جنریشن وارفیئر کے ایجنڈے میں یہ شامل ہے کہ عوام اور ریاستی اداروں کے درمیان تصادم پیدا کیا جائے۔ اداروں سے ایسے کام کروائے جائیں کہ عوام ان کے خلاف ہو جائے: آصف حمید

سانحہ ساہیوال میں قصوروار کون....؟ کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

سوال: سانحہ ساہیوال میں غلطی کہاں ہوئی؟

ایوب بیگ مرزا: سب سے پہلے میں انتہائی دکھی دل کے ساتھ اس سانحہ پر اظہار افسوس کروں گا اور جو لوگ اس ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں ان کی شدید مذمت کروں گا۔ ایک عام انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اس کا خون بہانا ظلم ہے لیکن ان کے ساتھ بچوں کو بھی مار دینا ظلم کی انتہا اور درندگی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ واقعہ کیوں ہوا؟ اس حوالے سے سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ سی ٹی ڈی ادارے کی نااہلی ہے اور میرے نزدیک ہر ادارے کی نااہلی حکومت کی نااہلی ہوتی ہے۔ ہمارے اوپر برطانیہ نے دو سو سال حکومت کی اور وہ ہمیں غلاموں کی طرح treat کرتے تھے۔ انہوں نے پھر یہاں ایسی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں بنائیں جو لوگوں کو ظلم اور تشدد سے خوفزدہ کر کے اپنے کنٹرول میں رکھتی تھیں تا کہ حکومت برطانیہ کی دہشت قائم رہے۔ اس نے سب سے پہلے پولیس کو اس کام کے لیے استعمال کیا۔ پھر پاکستان بن گیا لیکن ہمارے اداروں کا رویہ نہیں بدلا۔ ہماری پولیس کی شروع سے ہی یہی ذہنیت رہی ہے کہ ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں۔ یعنی ہم جو کچھ بھی کریں اس پر ہمیں کوئی عدالت یا کوئی حکومت پوچھ نہیں سکتی۔ یہ سوچ انتہائی غلط ہے اور انتہائی قابل مذمت ہے۔ اسی طرح پولیس کی سوچ کو مزید خراب ہمارے مارشل لاؤں نے کیا کیونکہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز بھی اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے پولیس کو استعمال کرتے تھے۔ پھر شریف فیملی نے پولیس کے ادارے کو مزید خراب کیا کیونکہ وہ بھی خاندانی حکومت کے لیے کوششیں کرنے لگے تو انہوں نے بھی پولیس بالخصوص پنجاب پولیس کو اپنے مقاصد کے لیے بہت زیادہ استعمال کیا۔ بہرحال یہ صورت حال بڑھتے بڑھتے اب پولیس کا ذہن یہ بن گیا کہ ہم جو کچھ کریں ہمیں کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ اس واقعے میں عین ممکن ہے کہ ان کے کسی بڑے نے حکم دیا ہو کہ جو راستے میں آتا ہے اسے اڑا دو، ہمیں کون پوچھ

مرتب: محمد رفیق چودھری

سکتا ہے۔ کیونکہ اس ملک میں درجنوں سانحات ایسے ہوئے جن پر پوچھ گچھ ہونی چاہیے تھی لیکن کچھ نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے اس ذہنیت کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس قسم کی دہشت گردی اور عوام کو کیڑے مکوڑوں کی طرح سمجھنا ایک غیر انسانی ذہنیت ہے۔ بہرحال میرے ذہن کے مطابق ہماری قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تربیت کچھ اس طرح کی ہوئی ہے کہ وہ انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو اڑا دیتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک یہ پولیس کا اپنی طاقت اور قوت کا ایک اظہار تھا۔ بدقسمتی سے ہم سفید حکمرانوں کی جگہ آزادی کے بعد کالے حکمرانوں کے غلام بن گئے اور انہوں نے اسی پولیس کے ذریعے عوام کے ساتھ سفید حکمرانوں جیسا ہی سلوک جاری رکھا کہ کسی کی جان و مال کی کوئی حیثیت نہیں، جسے چاہو اڑا دو اور یہ بھی مجھے اس طرح کا ایک معاملہ لگتا ہے۔

سوال: سی ٹی ڈی کو د یکھتے ہی گولی مارنے کا اختیار کس نے دیا۔ اگر مطلوب افراد کو وہ زندہ گرفتار کر سکتے تھے اور وہ بھی بچوں کے ساتھ تو پھر ان پر گولیاں کیوں برسائی گئیں؟

آصف حمید: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:
”کہ جس کسی نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر کسی قتل کے قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے (کے جرم کی سزا) کے گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔“ (المائدہ:32)

سانحہ ساہیوال کے حوالے سے ایک رائے ایوب بیگ صاحب کی ہے لیکن ایک رائے میں بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھئے، یہ واقعہ پولیس کے نہیں بلکہ سی ٹی ڈی کے کھاتے میں پڑا ہے۔ سی ٹی ڈی کا ایک کریڈٹ ہے کہ اس نے داعش کے syndrome کو ختم کیا ہے۔ ورنہ گھر گھر سے داعش کا ایک ہمدرد اٹھ رہا تھا۔ جس طرح سی ٹی ڈی نے اس پر قابو پایا ہے وہ اپنی جگہ پر قابل تحسین ہے۔ جتنے پروفیشنل انداز میں یہ لوگ کام کرتے ہیں اور جس طرح کی انٹیروگیشن کرتے ہیں وہ واقعی پولیس کے بس کا کام نہیں اور پھر ان کا بالکل latest نیٹ ورک ہے۔ یہ باہر سے ٹریننگ کر کے آتے ہیں جہاں کی پروفیشنل ٹریننگ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے یہ واقعہ ہونا یہ بالکل سمجھ سے باہر ہے۔ کیونکہ یہ پولیس کا واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ سی ٹی ڈی کا واقعہ ہے اور سی ٹی ڈی کا جو انداز منظر عام پر آیا ہے اس کے مطابق وہ پہلے چھان بین کرتے ہیں، پھر لنک تلاش کرتے اگر کوئی لنک مل جاتا تو پھر اس بندے کو اٹھا لیتے اور اس کے بعد تفتیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعے مزید لنک تلاش کرتے ہیں۔ یعنی ان کا ایک پورا نیٹ ورک ہے اور کمال کی پروفائلنگ ہے۔ ایسی پروفائلنگ کا ایک پولیس کا تھانیدار سوچ بھی نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے سی ٹی ڈی نے قابل قدر

کام بھی کیے ہیں۔ اگرچہ بہت بڑے ظلم بھی ہوئے ہیں کہ بہت سے بے گناہوں کو بھی اٹھایا گیا ہے۔ اس پر ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چاہے سو مجرم چھوٹ جائیں لیکن کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ اس طرح سرعام ایک فیملی والی گاڑی پر فائرنگ کرنا جس میں بچے بھی تھے بالکل توقع کے خلاف ہے۔ کیا فائرنگ کرنے والے بیوقوف تھے ان کو پتا نہیں تھا کہ آج ہر شخص کیمرہ مین بنا ہوا ہے اور لوگ بسوں کے اندر بیٹھ کر ویڈیوز بنا رہے تھے۔ لہٰذا میری ذاتی رائے میں یہ بہت سوچی سمجھی سکیم تھی۔ اس کو پولیس گردی یا حکومتی اداروں کی دہشت گردی کہا جا سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ففتھ جنریشن وارفیئر بھی چل رہی ہے جس کے ایجنڈے میں یہ شامل ہے کہ عوام اور ریاستی اداروں کے درمیان تصادم پیدا کیا جائے۔ اداروں سے ایسے کام کروائے جائیں کہ عوام ان کے خلاف ہو جائے۔ مشرف دور میں بھی ایسے حالات پیدا ہوگئے تھے۔ صورت حال اس قدر بگڑ چکی تھی کہ فوجیوں کے لیے حکم تھا کہ کوئی فوجی سویلین علاقوں میں وردی میں یا فوجی گاڑی میں نہ جائے۔ یعنی اس وقت مشرف کی حرکتوں کی وجہ سے اور بالخصوص سانحہ لال مسجد کی وجہ سے فوج اتنی بدنام ہوگئی تھی۔ اس کے بعد جنرل کیانی کے دور میں بھی تقریباً یہی صورت حال رہی۔ پھر راحیل شریف نے کچھ ایکشنز لیے، میڈیا کو بھی کنٹرول کیا اور کچھ فوج کے معاملات کو بھی ٹھیک کیا جس کے بعد فوج کا امیج کچھ بہتر ہو گیا۔ اب یہ واقعہ ہوا ہے تو ظاہر ہے ہمارے قانون نافذ کرنے والے اداروں آئی ایس آئی، سی ٹی ڈی وغیرہ کی آپس میں انٹیلی جنس شیئرنگ بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ کرا کے حکومتی اداروں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عوام سی ٹی ڈی سے شدید بے زار ہوئے ہیں، ان کے نزدیک سی ٹی ڈی والوں نے کوئی اچھا کام کیا ہی نہیں۔ یعنی اس ایک واقعے کی وجہ سے سی ٹی ڈی کی ساری کارکردگی پر پانی پھیر دیا گیا۔ تیسری بات یہ ہے کہ سانحہ ساہیوال پر میڈیا اتنا شور مچا رہا ہے لیکن ملک کے دوسرے علاقوں (بلوچستان اور قبائلی علاقوں کے لوگ) میں جو لوگ مارے جا رہے ہیں اس پر تو میڈیا بات ہی نہیں کرتا۔ اس سے تفریق مزید بڑھے گی اور بلوچستان اور قبائلی علاقوں کے لوگ کہیں گے کہ کیا ہمارے بچے بچے نہیں تھے۔ ظاہر ہے اس سے بھی نفاق پیدا ہوگا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ سی ٹی ڈی والوں کو اختیار کس نے دیا؟ تو میں اس حوالے سے یہی کہوں گا کہ نائن الیون کے بعد سے پاکستان کو پولیس سٹیٹ بنانے کا تصور دیا گیا۔ پاکستان میں پوپا کے نام سے ایک قانون بنا جس میں لوگوں کو اٹھانے کا اختیار دیا گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب کم لوگ اٹھائے جا رہے ہیں لیکن میرا نہیں خیال کہ کسی بھی قانون میں ایسی اجازت ہو کہ ایک گاڑی میں ایک فیملی بیٹھی ہوئی ہے، وہاں سے کوئی کاؤنٹر فائر نہیں ہو رہا ہے، پھر آپ گاڑی کو ہٹ کر کے روکیں اور گاڑی والوں میں سے کسی نے مزاحمت بھی نہیں کی اور آپ نے فائرنگ شروع کر دی۔ اس کے بعد آپ چلے گئے ہیں پھر بچوں کو وہیں پٹرول پمپ پر چھوڑ دیا ہے۔ یعنی جو بھی حرکتیں ہوئی ہیں وہ کسی توقع پر اُترتی ہی نہیں۔ اس کے بعد صوبائی وزیر قانون راجہ بشارت نے بیان دیا کہ سی ٹی ڈی نے سو فیصد ٹھیک کیا۔ میں چیف جسٹس صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ وزیر قانون کے بیان کا نوٹس لیں کہ کیا ایسی کارروائی کو سو فیصد ٹھیک کہا جا سکتا ہے۔ اس کو سو فیصد ٹھیک کہہ دینا بہت بڑا ظلم ہے۔

> **پورے نظام کو جب تک اسلامی بنیادوں پر استوار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک یہاں عدل وانصاف کا قیام ممکن نہیں۔**

سوال: وزیر قانون راجہ بشارت نے اپنے بیان میں ذیشان نامی شخص کو دہشت گرد قرار دیا اور سی ٹی ڈی کی کارروائی کو سو فیصد صحیح قرار دیا۔ اگر سب کچھ ٹھیک تھا تو پھر غلط کیا تھا؟

ایوب بیگ مرزا: وزیر قانون نے جو بیان دیا وہ انتہائی احمقانہ تھا۔ سی ٹی ڈی نے دہشت گردی کو ختم کرنے کے حوالے سے بہت اچھے کام بھی کیے ہیں لیکن ان کو سامنے رکھ کر اس واقعہ کو بھی ٹھیک کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ غلط کارروائی تھی۔ اگر انہوں نے ننانوے کام اچھے کیے ہیں تو جو انہوں نے برا کام کیا اس کی مذمت ہونی چاہیے۔ وزیروں کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا اور وہ defend بھی اس طرح کرتے ہیں کہ معاملہ اُلٹا گلے پڑ جاتا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ ذیشان نامی شخص کے بارے میں انٹیلی جنس ایجنسیوں نے بتایا تھا کہ اس کے لنکس کچھ ایسے لوگوں سے تھے۔ لیکن ایسا تو نہیں ہے کہ ان لنکس کی بنیاد پر اس کو مار دیا جائے بلکہ اس کو گرفتار کیا جانا چاہیے تھا۔ اسے گرفتار کرنا بڑا آسان تھا۔ گاڑی کے ٹائروں پر فائرنگ کر کے اسے گرفتار کر سکتے تھے۔

آصف حمید: عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق تین شخصیات فواد چودھری، راجہ بشارت اور عثمان بزدار کے بیانات وزیر اعظم عمران خان کے لیے ذلت کا باعث بنے۔ البتہ جن لوگوں نے اسمبلی میں تقاریر کیں میں ان کی تعریف کرتا ہوں۔ وزیر داخلہ نے اسمبلی میں جو بیان دیا وہ بہت عمدہ تھا جو ایک عوامی نمائندے کا بیان تھا۔ لیکن پہلے تینوں نے جو بیانات دیے۔ وہ ایجنسیوں کے بھی خواہوں کے بیانات تھے۔ ان میں تضاد بھی تھا اور ثابت بھی ہو رہا ہے کہ وہ غلط بیان تھے۔ ان لوگوں کو ایسے بیانات نہیں دینے چاہیے تھے اور ان کی دلیل بھی غلط تھی۔ کیونکہ اگر ان میں سے کوئی دہشت گرد تھا تو اسے گرفتار کرنا چاہیے تھا۔ جہاں بہت سے پاکستانیوں کو اُٹھایا گیا ہے تو اسے بھی اُٹھا لیا جاتا۔ لیکن یہ جو حرکت کی ہے اس میں تو کوئی سازش لگتی ہے۔ میرے خیال میں اس میں حکومت کو ہلانا مقصود تھا۔ جیسا کہ میرا دل کہتا ہے کہ شہباز شریف نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کے حوالے سے کوئی آرڈر نہیں دیا تھا۔ لیکن سسٹم کے اندر ایسے عناصر بیٹھے ہوئے ہیں جو حکومت اور عوام کو ٹکرانا چاہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارے اسی پروگرام میں کہا گیا تھا کہ یہاں کی بیوروکریسی کو خطرہ ہے کہ اگر عمران خان دو سال نکال گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ اس لیے حکومت کو Topple کرنے کے لیے مختلف حربے اختیار کیے جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں ان سب چیزوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ واقعہ دیدہ دلیری سے ہوا ہے اور اس پر پوری عوام نے مذمت کی ہے اور حکومت کو برا کہا ہے۔

سوال: اگر اس واقعہ کی تحقیقات کے لیے جے آئی ٹی کی بجائے عدالتی کمیشن بنتا تو وہ زیادہ مناسب نہ ہوتا؟

ایوب بیگ مرزا: ہمارے ملک میں کون سا معاملہ ٹھیک ہے۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن پر جوڈیشل کمیشن بنا تھا، وہ

شہباز شریف نے خود بنایا تھا اور کہا تھا کہ اگر جوڈیشل کمیشن نے میری طرف انگلی بھی اُٹھائی تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ جوڈیشل کمیشن کے باقر نجفی نے انگلی تو کیا پورا ہاتھ ہی شہباز شریف کی طرف اُٹھا دیا یعنی سارا الزام شہباز شریف اور رانا ثناء اللہ پر لگا دیا اور اپنے ایک طویل فیصلے میں لکھ دیا کہ اس میں شہباز شریف اور رانا ثناء اللہ ملوث تھے۔ انہوں نے رات کو فلاں وقت پر میٹنگ کی تھی۔ اس میں فلاں فیصلہ ہوا تھا۔ پوری تفصیل دی۔ لیکن کیا ہوا۔ اب بھی جوڈیشل کمیشن بن جائے گا تو کیا ہوگا۔ جب تک کام کرنے کی نیتیں صاف نہ ہوں اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اب بھی حالات ایسے ہیں کہ یہ جے آئی ٹی یا کمیشن بنتے رہتے ہیں لیکن ہوتا کچھ بھی نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن پر جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ ڈیڑھ سال چھپائے رکھی گئی۔ اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس واقعے میں سی ٹی ڈی کے بڑے اہلکار ملوث نہ ہوں، یقیناً ملوث ہوں گے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے طور پر اہلکاروں نے یہ کام نہیں کیا ہوگا اور اس کی وجہ وہی ہے کہ ان کا ذہن ہے کہ ہم کسی عدالت کو نہیں جانتے، ہم کسی حکومت کو نہیں جانتے۔ ہمارے پاس گن ہے ہم جو چاہیں کریں۔ یہ ہے اصل ذہنیت جس کا یہ نتیجہ نکلا ہے۔

سوال: کیا سانحہ ساہیوال کے حوالے سے انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے؟

آصف حمید: ابھی تک حکومت نے چند ذمہ داروں کو معطل کیا ہے۔ اگر پچھلی حکومت سے موازنہ کیا جائے تو یہ بہت ہی عمدہ اقدام ہے۔ بہرحال ہمیں ان سے ایک اچھی امید اس وقت تک رکھنی چاہیے جب تک وہ ثابت نہ کردیں کہ وہ اس قابل نہیں ہیں۔ پہلے تین لوگوں کے بیانات اور ایف آئی آر کا معاملہ بہت واہیات تھا کیونکہ ایف آئی آر کے نکات کو سامنے رکھیں تو اس کی بنیاد پر کسی کو سزا نہیں ہوسکتی۔ لیکن اب جو اقدام ہوا ہے تو مجھے یہ اُمید ہے کہ یہ معاملہ کسی کروٹ ضرور بیٹھے گا۔ یعنی سزا ہوگی اور اگر نہیں ہوگی تو یہ چیز ان کے گلے پڑے گی۔ کیونکہ ان کو پتا ہے کہ چودہ قتل شہباز شریف کے گلے پڑے ہیں۔ اگر تحقیقات منصفانہ ہوں تو ہمیں امید ہے کہ سی ٹی ڈی کی بھی ساکھ بحال ہوگی اور یہ عمران خان کے لیے بہت بڑی سیاسی سکورنگ ہوگی۔ یہ عمران خان کے لیے موقع ہے کہ وہ ثابت کریں کہ ریاست مدینہ کا جو نعرہ وہ لگاتے ہیں اس میں سچے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: جس طرح سانحہ ماڈل ٹاؤن کے حوالے سے ابھی تک کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا بلکہ جن پولیس افسروں پر الزامات تھے ان کی ترقیاں ہوئی ہیں اور ان میں سے ایک کو باہر سفارت خانے میں بھیج دیا گیا ہے اسی طرح اگر سانحہ ساہیوال کے ذمہ داروں میں سے کسی کو سزا نہیں ہوتی یا تحقیقات کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آتا تو کم ازکم وزیر اعلیٰ کو ضرور مستعفی ہونا چاہیے۔ ہم ان کو چھ مہینے تک کا ٹائم دے سکتے ہیں کہ وہ کیس عدالت میں لے جائیں۔ اس کے بعد بھی اگر صحیح مجرم نہیں پکڑے جاتے اور ان کو سزا نہیں ہوتی تو پھر وزیر اعلیٰ پنجاب کا فرض ہے کہ وہ استعفیٰ دیں۔

سوال: کیا جے آئی ٹی کے سربراہ کی ٹال مٹول حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں ہے؟

ایوب بیگ مرزا: نہیں! دو دن کے التوا کو آپ ٹال مٹول ہرگز نہیں کہہ سکتے۔ البتہ جیسے سانحہ ماڈل ٹاؤن میں سالوں سال گزر گئے اسی طرح اگر اس کیس میں بھی پانچ چھ مہینے گزر جاتے ہیں اور پھر بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو پھر ہم مطالبہ کرسکتے ہیں۔ اس ملک میں عدالتی نظام کا بھی معاملہ ہے، پھر انوسٹی گیشن کا معاملہ، وکلاء کا معاملہ، قانون وغیرہ یہ سارے معاملات جلد انصاف کے راستے میں رکاوٹ ہیں۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں عدالتی نظام پر بڑی تنقید ہوتی ہے اور صحیح ہوتی ہے لیکن یہ کہنا کہ مقدمات کی تاخیر کی صرف عدالت ذمہ دار ہے ٹھیک نہیں ہے۔ عدالت بھی ذمہ دار ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ وکلاء، اہلکار، پولیس، تفتیشی ادارے اور پارٹیاں سب ذمہ دار ہوتے ہیں۔

سوال: اگر سانحہ ماڈل ٹاؤن اور نقیب اللہ قتل کے مجرموں کو سزا مل جاتی تو کیا سانحہ ساہیوال ہوتا؟

آصف حمید: قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ)

''اور اے ہوشمندو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے، تاکہ تم بچ سکو۔''

قصاص کا مطلب ہے خون کے بدلے خون۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ ظلم کو ظلم کے ذریعے دبائیں گے تو ظلم ختم نہیں ہوگا۔ ظلم اس وقت ختم ہوتا ہے جب عدل وانصاف کے ساتھ مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ ہماری تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے جن میں کسی کو بھی اس طرح سزا نہیں ملی۔ جبکہ ہمیں اس پر سوچنا چاہیے کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اللہ اور رسول ﷺ نے جو اصول دیے ہیں ان کی بنیاد پر ہمارے فیصلے ہوں۔ سزا بھی انہی بنیادوں پر ہو اور سزا بھی سرعام ہو تاکہ لوگ عبرت پکڑیں۔ یہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا تب تک یہ نظام ظلم چلتا رہے گا۔ ریاست پولیس سٹیٹ بنی رہے گی کیونکہ یہاں حکمرانوں کے اپنے مفادات ہیں اور ہمارا جو ایلیٹ طبقہ ہے اس کے اپنے مفادات ہیں۔ یعنی یہ نظام ظلم کا چل رہا ہے۔ ابھی بھی ہم اپنی آواز اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم سارے پاکستانی ہیں۔ لیکن ہمارے ہاتھ میں عدالت نہیں ہے، ہمارے پاس نظام نہیں ہے۔ میں اپنے ہاتھ میں پتھر نہیں لے سکتا لیکن میں ان کے لیے یہ دعا کرسکتا ہوں کہ اللہ ان کو اس دنیا میں بھی نشان عبرت بنائے اور ان کی آخرت بھی برباد کرے تاکہ ان کو پتا چلے کہ انہوں نے کیا جرم کیا ہے۔

ایوب بیگ مرزا: راؤ انوار نے کتنے بڑے جرائم کیے اور اس میں سے ایک جرم یہ تھا کہ اس نے نوجوان نقیب اللہ کو ماورائے عدالت قتل کردیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ وہ وہاں موجود تھا اس نے خود کروایا لیکن ابھی تک اس کے خلاف کچھ نہیں ہوا۔ یہ ظلم ہے۔ اگر اتنا بڑا ثبوت موجود ہے تو پھر راؤ انوار کو تو اس دنیا میں تو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن کچھ نہیں ہورہا۔ اصل میں یہ سارا نظام کا قصور ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ہاں جرائم میں کمی نہیں آرہی بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔

سوال: کیا سانحہ ماڈل ٹاؤن اور ساہیوال کے کیسز فوجی عدالتوں کو بھجوانے کی تجویز قابل عمل ہے؟

ایوب بیگ مرزا: فوجی عدالتوں کا جو وقت آئین نے معین کیا تھا وہ ختم ہوچکا ہے۔ اب ان کو دوبارہ آئینی تحفظ کی ضرورت ہے اور اس معاملے میں پی ٹی آئی کی حکومت اور اپوزیشن جماعت نون لیگ کا آپس میں اتفاق ہوچکا ہے۔ البتہ پیپلز پارٹی ڈٹ کر اس کی مخالفت کررہی ہے۔ ویسے ہم فوجی عدالتوں کے حق میں نہیں ہیں لیکن اگر فوجی عدالتیں بن جاتی ہیں تو یہ دونوں کیسز (باقی صفحہ 13 پر)

میزانِ خونچکاں

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

نائن الیون میں ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا ملبہ سچ، عدل، انصاف، قانون کی بالادستی پر جا پڑا۔ پاکستان نے امریکہ کا فرنٹ لائن اتحادی بن کر جھوٹ، دجل فریب بھری، اس جنگ کا وافر حصہ وصول کیا۔ یہاں تو یہ ایک صنعت کا درجہ اختیار کر گئی۔ دہشت گردی کے نام پر بے شمار ادارے، ہزاروں کی رزق رسانی اس سے وابستہ ہو گئی۔ 17 سالوں میں آئین قانون عدل سے ماوراء ہزاروں بے گناہ اسی ملبے تلے دفن ہو گئے۔ اصطلاحات نے زبانوں پر تالے ڈال دیئے۔ ساہیوال سانحہ اسی کا تسلسل ہے۔ نہ نیا ہے نہ انوکھا۔ سچائی پوری سفاکی سے وڈیوز اور عینی شاہدین کے ہاتھوں کھل کر سامنے آ گئی۔ دو خواتین کا قتل، ننھے بچوں کی کسمپرسی نے ضمیر جھنجھوڑ ڈالے۔ ورنہ وقوعہ تو معمول کا تھا۔ کہانی سیٹ اور تیار تھی۔ راجہ بشارت اور فواد چودھری کے پہلے سرکاری طوطے والے بیانات چلے۔ آخر راؤ انوار ایسے 400 کامیاب پولیس مقابلے چلا ہی چکا تھا۔ ہمارا دیسی ریمنڈ ڈیوس ترقی کے زینے طے کرتا رہا، انعامات پاتا رہا، یہاں تک کہ نقیب اللہ محسود اور اس کے 3 ساتھیوں کو دہشت گرد قرار دے کر مارنا اس کے گلے پڑ گیا۔ نقیب اللہ کی نہایت غیر دہشت گردانہ صورت سوالیہ نشان بنی۔ رازوں سے پردہ اٹھتا گیا۔ اب انسداد دہشت گردی کی عدالت نے بالآخر پولیس مقابلے کا جعلی ہونا ثابت کر دکھایا۔ دہشت گردی، اسلحہ رکھنے و دیگر الزامات سے مقتولین کو بری کر دیا! یہ اسلحہ اور گولیاں ان کے قتل کے بعد کمرے میں رکھے گئے تھے۔

نقیب اللہ قتل (جنوری 2018ء) کے ایک سال بعد اب فیصلہ سامنے آیا ہے۔ اس دوران راؤ انوار وی آئی پی بنا کر رکھا گیا۔ فوری فیصلہ، فوری انصاف مل جاتا تو آج یہ سانحہ دن دہاڑے یوں نہ ہوتا۔ قوم جذباتی ردِعمل دے کر چل دیتی ہے۔ بڑی سے بڑی بریکنگ نیوز کی طبعی عمر چار دن سے زیادہ نہیں ہوتی۔ نقیب اللہ کا سانحہ نہ محسود قوم کا محدود ایشو تھا، نہ ہی اسے کے پی کے تک محدود ہو کر ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ قوم کا مظلوم بیٹا تھا۔ فوری انصاف کا طالب۔ یہ جو دہشت گردی ہے، اس کے پیچھے وردی ہے جیسے اشتعال انگیز، جذباتی نعروں نے انصاف مسل کر رکھ دیا۔ پولیس مقابلہ پالیسی کو نکیل نہ ڈالی جا سکی۔ دہشت گردی کی جنگ کا یہ المیہ رہا کہ جو بھی مار دیا، مر گیا وہ دہشت گرد ہی تھا۔ جیسے امریکہ نے باراتوں پر بمباری کر کے جواز پیش کر دیے۔ جنگل میں شکار کھیلتے شہریوں کو مار کر انہیں طالبان کا ساتھی قرار دے دیا۔ سولا محالہ یہ گاڑی بھی دہشت گردوں کی تھی۔ بیگوں میں اسلحہ اور خودکش جیکٹیں تھیں۔ بچے اغوا شدہ تھے۔ سڑک پر پیچھے رکی ٹریفک نے شواہد فراہم نہ کیے ہوتے تو خونِ خاک نشیناں رزقِ خاک ہو چلا تھا! لواحقین کو خاموش کروانا کیا مشکل تھا۔

اب بھی ذیشان کٹر دہشت گرد قرار دے کر جواز دینے کی ابتدا ہو چکی۔ ایسا خوفناک دہشت گرد جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے ایک غلیل تک نہ تھی؟ سیٹ بیلٹ میں بندھا 10 گولیاں کھا کر خاموش ہو گیا؟ بچی (14 سالہ) کو 6 گولیاں ماریں۔ خاتون کو 4 گولیاں، خلیل کو 13 گولیاں۔ دن دہاڑے بھری چلتی سڑک پر دیکھے نہ گئے ہوتے تو سب کچھ لپیٹ سمٹ چکا ہوتا۔ سادہ لوح ماں نے کہا کہ ذیشان 5 وقت کا نمازی اور تہجد گزار تھا۔ کبھی فضول گفتگو نہیں کرتا تھا۔ مجھ میں تو کوئی عیب ہو سکتا تھا اس میں نہیں تھا۔ معصوم ماں نہیں جانتی کہ یہی تو اس کے دہشت گرد ہونے کی علامات ہیں۔ داڑھی اس پر مستزاد ہے! میں کچہریوں میں خوار نہیں ہو سکتی، اللہ قاتلوں سے بدلہ لے گا۔ یہ والدہ کا جملہ انہیں لے ڈوبنے کو کافی ہے جلد یا بدیر۔ مظلوم کی آہ اور اللہ کے درمیان رکاوٹ نہیں ہوتی۔ حکومت نے کہا: ان کیمرہ سیشن میں حقائق سامنے لائیں گے۔ تاہم ایک اوران کیمرہ سیشن پوری تفاصیل کے ساتھ حق سامنے لے آئے گا، جس کا وعدہ بار بار قرآن میں دہرایا گیا ہے: اس روز (زمین) اپنے (اوپر گزرے ہوئے) حالات بیان کرے گی۔ (الزلزال: 4) اس کی تشریح میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حالات یہ ہیں کہ زمین ہر بندے اور بندی کے بارے میں اس عمل کی گواہی دے گی جو اس کی پیٹھ پر اس نے کیا ہوگا۔ وہ کہے گی کہ اس نے فلاں دن فلاں کام کیا تھا۔ یہ ہیں وہ حالات جو زمین بیان کرے گی۔“ (مسند احمد۔ ترمذی)

اسی کی بنیاد پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل تاریخ میں ثبت ہے کہ وہ بیت المال کا روپیہ اہلِ حقوق میں تقسیم کر کے اسے خالی کر دیتے تو اس میں دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے: (اے زمیں!) تجھے گواہی دینی ہوگی کہ میں نے تجھے حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کیا۔ آج سائنسی حقائق نے ان آیات واحادیث کی تصدیق کر دی ہے۔ اللہ کے ہاں ریکارڈ بلا کم و کاست موجود ہوگا۔ اللہ کی تفتیشی سائنس کاملیت واکملیت کے ساتھ کارفرما ہوگی۔ جس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ پڑتال ہوگی (الطارق: 9) اعمال دکھائے جائیں گے (الزلزال) اعمال نامے کھولے جائیں گے، نشر ہو جائیں گے۔ (التکویر) وہ دن دور تو نہیں! آخرت پر ایمان، خلافتِ راشدہ والی حکمرانی لاتی ہے۔ ریاستِ مدینہ بیانوں اور کھوکھلے نعروں سے وجود نہیں پاتی۔ ڈالروں کی جھنکار، وردیوں پر لگتے تارے نگاہ دھندلا دیتے، آخرت بھلا دیتے ہیں۔ خوف خدا کے سوا کوئی مردہ ضمیر کو زندہ نہیں کر سکتا۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ جس وارن سٹائن کے نام پر دسیوں بندے اٹھائے پکڑے بلا ثبوت مار دیئے، ذیشان کی طرح، وہی وارن سٹائن جو یہودی پیدا ہوا تھا، اپنے اغوا کاروں، دہشت گردوں کے ہاتھوں مسلمان ہوا! (عین اسی طرح جیسے ایوان ریڈلی مسلمان ہوئی تھی) اسحاق نام رکھا۔ امریکہ کے ڈرون حملے میں شہید ہوا۔ پاکستان کیا کر رہا ہے؟ امریکہ کے ہاتھوں ایمان گنوا کر دو ٹکوں کے عوض ملک کے مقدر میں ظلم کی تاریکیاں بو رہا ہے؟ اس واقعے میں عوامی ردِعمل سے ہمت پا کر لاپتگان کے لواحقین ہزارویں مرتبہ اپنے کھوئے ہوؤں کی جستجو میں ایک مرتبہ پھر اسلام آباد کی سڑکوں پر جا کھڑے ہوئے۔ ایک مضبوط عدلیہ، مضبوط سویلین حکومت اور معاشرے کے ضمیر کی منظم مضبوط آواز کے بغیر انصاف اور حقوق کا حصول ممکن نہیں۔ منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو تو قتل پر پھانسی دے دی تھی۔ نائن الیون سے آج تک مذبح خانے

کھل گئے۔ میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں؟ کا سوالیہ نشان چہار سو آویزاں ہے۔ کس میں جرأت ہے کہ پوچھے ہم سے حملے کا جواز!

ننھے بچے لمحے بھر میں اجڑ گئے، ان کی دنیا لٹ گئی۔ آپ جائیے اپنے بچوں کی روزی روٹی گیس بجلی کے بل نمٹائیے۔ جہاں ان جیسے ہزاروں سسک سسک کر مرجھائے پھول پل رہے ہیں یہ بھی پل ہی جائیں گے۔ اغواشدگان لاپتگان کے گھروں میں جھانک کر تو دیکھئے!

دھرتی بھی رو رہی ہے ترے ظلم و جور سے
ہے آسماں بھی سامنے حیران خونچکاں
تیری عدالتیں بھی تو خاموش ہو گئیں
آئین و عدل کے ہوئے میزان خوں چکاں

اسی دوران شاید ملکی حالات سے متاثر ہو کر شیطان کا مجسمہ، 20 فٹ بلند، نخوست مارا، لاہور میوزیم کے باہر لگا دیا گیا تھا۔ اس پر شدید تنقید شروع ہوگئی۔ وکیل عنبرین قریشی نے ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی تھی کہ اس کا پاکستان کی ثقافتی تاریخی اقدار سے کیا واسطہ؟ بیچاری خواہ مخواہ جذباتی ہوگئیں۔ حالانکہ 18 سالوں کا حامل نیا پاکستان اتنی محنت سے چلتا چلاتا ساری اقدار ملیامیٹ کر کے جہاں آن کھڑا ہوا ہے یہ بدنما بدہیئت شیطان اسی کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اقبال کی آنکھوں کے حسین خواب اسی عفریت نے نوچ ڈالے۔ اقبالؒ کا شاہین تو مر گیا۔ جناح کے وعدے، امیدیں، امنگیں آرزوئیں بھی دفن ہوئیں۔ دہشت گردی کی جنگ کی کوکھ سے جو عفریت نمودار ہوئی اسے اس مجسمے کی صورت دیکھا جا سکتا ہے! تاہم عدالت نے ہٹانے کا حکم صادر کر دیا۔ یہ دور ہمارے مغربی آقاؤں کے ہاں یوں بھی شیطان پرستی کا دور ہے، جس کے مظاہر ان کے ہاں شیطانی عبادت گاہوں، بیت الخلائی ریسٹورانٹوں میں فلش نما سیٹوں پر بیٹھ کر غلاظت نما اشیائے خورونوش کے ذریعے شیاطین سے یکجہتی کی صورت عام ہیں۔ برہنہ ہو رہنے کے چلن اور اخلاقی گندگیاں، ظلم و جور سب شیطانیت ہی کے بڑھتے پھیلتے مظاہر ہیں۔ یہی فتنۂ دجال ہے۔ امتحان ہمارا ہے کہ خدانخواستہ بدنصیب اصحاب المشئمۃ میں سے ہوں یا اصحاب المیمنۃ (دائیں ہاتھ والے...... دنیا و آخرت میں پاکیزگی اور ایمان والے) بننے کا غم کھائیں۔ یا بھیڑ چال لیئے میمنے بن کر کفر کا چارہ بن جائیں! خدانخواستہ۔

۞۞۞

بقیہ: منبر و محراب

انتقال ہو جائے، پھر اس کے ہاں اس کی عدت (عدت طلاق یا عدت وفات) پوری ہو تو اس کے بعد جا کر سابقہ شوہر سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بڑا مشکل ہے۔ کون ایسا بے غیرت ہوگا جو پہلے ایسی حرکت کرے اور پھر اپنی بیوی کو کسی اور کے نکاح میں دے دے اور پھر اس کے بعد خود نکاح کر لے۔

بہرحال طلاق دینی بھی ہو تو اس شرعی طریقے کے مطابق دی جائے۔ کیونکہ ان مراحل میں علیحدگی کے اثرات پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کا موقع ملتا ہے اور رشتہ دوبارہ بحال ہونے کے چانسز زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے سوائے پشیمانی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اکثر میاں بیوی دونوں سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں یا پھر حلالہ کے چکر میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ لہٰذا طلاق کے معاملے میں جلد بازی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ جلد بازی شیطانی عمل ہے جس کا انجام پشیمانی ہے۔

لیکن ہمارے ملک میں قومی سطح پر کیا کچھ ہو رہا ہے؟ 1962ء سے جب عائلی قوانین نافذ ہوئے ہیں، قانون یہ ہے کہ جب تک خاوند اپنی بیوی کو تین طلاق نہ دے اس وقت تک طلاق کو موثر ہی نہیں سمجھا جائے گا۔ یعنی ایک اور دو طلاقوں کی ان کے ہاں کوئی قانونی حیثیت ہی نہیں ہے اور جب بھی کوئی شخص طلاق دیتا ہے تو یونین کونسل کی طرف سے باقاعدہ تین طلاقیں دلوائی جاتی ہیں تب یونین کونسل کا چیئرمین یہ فیصلہ دیتا ہے کہ ان کی طلاق واقع ہوگئی ہے اور اس سے پہلے اگر وہ کسی دوسری جگہ شادی کر لیتا ہے تو اس کے اوپر الٹا ایک مقدمہ بن جاتا ہے۔ تو ہمارے ہاں شریعت پر عمل کے حوالے سے بہت سارے تضادات ہیں۔ حتیٰ کہ عدالتوں کے باہر آپ کو پری پرنٹڈ طلاق نامے ملتے ہیں جس میں لکھا ہوا ہے کہ میں شریعت محمدی ﷺ کے مطابق تمہیں تین دفعہ طلاق دیتا ہوں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ہمیں اپنے معاشرے کو اس جہالت سے نکالنا ہوگا اور ایسے غیر اسلامی قوانین کو ختم کرنے کے لیے آواز اُٹھانا ہوگی۔ جب ہمارا قانون مکمل اسلامی ہو جائے گا تو تب ہی ہمارے معاشرے میں ظلم و زیادتی کے واقعات میں کمی آ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفاذ اسلام کی جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۞۞۞

بقیہ: زمانہ گواہ ہے

ان کے حوالے کر دینے چاہئیں۔ ہمارا مقصد بروقت اور منصفانہ ٹرائل ہے وہ جس عدالت میں بھی ہو ہمیں قبول ہے۔

سوال: موجودہ غلط سسٹم کو درست کیسے کیا جا سکتا ہے؟

آصف حمید: اسلامی نظام میں جو سزائیں اور اصول ہیں ان میں بڑی حکمت ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول ﷺ کے طے کردہ ہیں۔ ہمارا پورا ایمان ہے کہ جب تک وہ صحیح طور پر نافذ نہیں ہوں گی یہاں سے ظلم ختم نہیں ہوگا۔ بڑے سے بڑا مغربی قانون بھی یہاں نافذ کر لیں تب بھی یہاں ظلم ختم نہیں ہوگا۔ جس ہستی نے انسان کو بنایا ہے اس نے یہ چیزیں تجویز کی ہیں اور ہم اس کے علاوہ کریں گے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ یہاں سے ظلم ختم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں نظام کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اس پورے نظام کو جب تک اسلامی بنیادوں پر نہیں استوار کیا جائے گا اس وقت تک یہ معاملات حل نہیں ہوں گے۔ اگر آپ یہاں شرعی سزائیں نافذ کر دیں اور کسی ایک چور کے ہاتھ کاٹ دیں تو پھر سوچیں کتنوں کے ہاتھ کٹیں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب قحط پیدا ہوا تھا تو قطع ید کی سزا منسوخ کر دی تھی۔ کیونکہ سب سے پہلے برائیوں کا سد باب کیا جاتا ہے پھر سزائیں نافذ کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ فوری طور پر پورا نظام نافذ کر دیں لیکن کم سے کم ان چیزوں کا نفاذ شروع تو کریں۔ سزائیں دینا شروع کریں، صحیح سپیڈی ٹرائل کریں تاکہ لوگوں کا اعتماد بحال ہو اور پھر جو سزائیں دی جائیں وہ سرعام دی جائیں کیونکہ قرآن مجید کا حکم ہے لوگوں کا ایک گروہ عبرت حاصل کرنے کے لیے اس کو دیکھے۔

ایوب بیگ مرزا: میں سمجھتا ہوں کہ اس نظام کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس نظام کو دفنا دینے اور بلڈوز کرنے کی ضرورت ہے۔ جس بنیاد پر اس ملک کو حاصل کیا گیا تھا اس پر نئے سرے سے تعمیرات اٹھا کر ایک نئی عمارت کھڑی کر دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں پیوندکاری نہیں ہو سکتی۔ میری رائے میں جو بھی اس میں پیوندکاری کرنے کی کوشش کرے گا وہ ناکام ہوگا۔

قارئین پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ریاکاری سے بچیے، اللہ کی رضا کو مقصود بنائیے!

مولانا فضل الرحیم اشرفی دامت برکاتہم

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ شرکِ اصغر کا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: 'ریا' (یعنی دکھاوے کے لیے کوئی کام کرنا)

اللہ رب العزت نے انسان کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا قرار دیا ہے، اس لیے کہ زندگی کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت قابلِ قبول ہوگا جو صرف اور صرف اس نیت سے کیا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے، اس نیک نیتی کو اخلاص کہا گیا ہے۔

اخلاص وللّٰہیت کا مطلب یہی ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی سے اچھا سلوک صرف اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق اور ہمارا پروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے۔ دینِ اسلام میں واضح طور پر اس کی تعلیم دی گئی کہ اعمال واخلاق صرف ظاہری طور پر مقصود نہیں بلکہ ان اعمال واخلاق کا اصل مقصد اللہ کی رضا جوئی ہے۔

اور اگر زندگی کے ان کاموں کا مقصد اللہ کی رضا نہ ہو بلکہ کوئی اور مقصد ہو، نام ونمود، ریاکاری، دوسروں کو دکھانا مقصود ہو، تو اللہ کے نزدیک ان کاموں کی کوئی قیمت اور کوئی حیثیت نہیں۔

اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ انسان اپنے لیے بھی یہی اصول پسند کرتا ہے جیسے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہدیہ تحفہ دیتا ہے، لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے کہ اسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں بلکہ وہ تو یہ سب کچھ اپنے ذاتی مفاد کی وجہ سے یا اپنا کوئی کام نکلوانے کے لیے کر رہا ہے، تو پھر آپ کے دل میں اس شخص کی اور اس کے کاموں کی کوئی قدر وقیمت نہیں رہتی۔

اس میں فرق صرف اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے، لیکن اللہ سب کے دلوں کا حال اور ان کی نیتوں کی تفصیل جانتا ہے۔

اس لیے جو شخص اپنی زندگی کے تمام کاموں میں صرف یہ مقصد بنا لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اعمال سے راضی اور خوش ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ ان اعمال کو قبول کر کے راضی ہو جاتا ہے، دنیا میں اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت میں بھی اس کا ثواب اور اجر عطا فرمائے گا۔

لیکن اگر کسی دنیا کے مقصد کی خاطر کام کیا، تو اللہ تعالیٰ وہ دنیا کا مقصد تو پورا کر دیتا ہے، لیکن آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ سورۂ شوریٰ کی بیسویں آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے، تو ہم اس کو اس کے پھل میں اور اضافہ کر دیں گے۔ اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے، تو ہم اس میں سے اس کو کچھ دے دیں گے، لیکن آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (الشوریٰ:20)

معلوم ہوا کہ اگر زندگی کے اہم ترین کام بھی اخلاصِ نیت یعنی خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے بجائے کسی اور مقصد کی خاطر کیے جائیں تو وہ بھی بے کار ہو جاتے ہیں، چاہے وہ جان خرچ کر بیٹھے یا سارا مال خرچ کر ڈالے۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی عدالت سے فیصلہ سنایا جائے گا:

(1) سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور پوچھے گا کہ تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ وہ شہید کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جان قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''یعنی تو نے جھوٹ کہا، تو نے صرف اس لیے جہاد کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا'' پس اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(2) پھر ایک عالمِ دین اور قرآن حکیم پڑھنے والے کو حاضر کیا جائے گا، وہ کہے گا کہ: اے اللہ! میں نے تیرے لیے، تیرے دین اور تیری کتاب کو پڑھا، اور پڑھایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''یعنی تو نے اس لیے علم پڑھا تاکہ عالم کہلایا جائے، اور قرآن اس لیے پڑھا کہ تو قاری کہلایا جائے، سو کہلایا جا چکا'' پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(3) پھر ایک ایسا شخص پیش ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت مال دیا تھا۔ پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کرے گا: یا اللہ میں نے تیرے لیے زندگی کے ہر شعبہ میں خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''یعنی تو نے جھوٹ کہا! تو نے تو یہ سب اس لیے خرچ کیا تھا کہ کہا جائے کہ وہ شخص بڑا سخی ہے، سو کہا جا چکا۔ پھر اسے بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔'' (سنن نسائی)

دیکھا جائے کہ جان خرچ کر کے شہید ہو جانا، علم حاصل کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا، مال خرچ کرنا، یہ سب کتنے اعلیٰ درجہ کے نیک کام ہیں، لیکن یہ کام جب اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے کسی اور مقصد کی خاطر کیے جائیں تو بالکل بے کار ہو جاتے ہیں۔

اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر رکھا ہے۔ اس لیے جو انسان زندگی کے ہر اچھے عمل میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت کر لیتا ہے تو وہی عمل اس کے لیے عبادت اور نیکی بن جاتا ہے۔

مال خرچ کرتا ہے تو وہ ارشادِ باری تعالیٰ کے مطابق اجر وثواب پاتا ہے۔ اور جب جان خرچ کرتا ہے تو جیسا جہاد کے دوران شہداء نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کر کے شہادت کا رتبہ پایا، اور ایسی زندگی پالی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''تم اللہ کے راستے میں جان قربان کرنے والوں کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، ان کو اپنے رب کے پاس سے رزق دیا جاتا ہے، اور وہ اس نعمتِ خداوندی پر شکر اور فرحت محسوس کرتے ہیں۔''

(آل عمران:169، 170)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل صرف اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرے۔

اللہ رب العزت ہمیں زندگی کے تمام اعمال میں رضائے الٰہی حاصل کرنے والا بنا دے۔ ❁❁❁

صلہ رحمی!
اہمیت وفضیلت

صفات عالم تیمی

انسان فطری طور پر معاشرت پسند واقع ہوا ہے، جب وہ دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے تو وہ اپنے سامنے اپنے اہل وعیال اور قبیلہ کے مختلف لوگوں کو دیکھتا ہے۔ ماں باپ، بھائی بہن، دادا، دادی، نانا نانی، چچا پھوپھی، اور ماموں خالہ، سب کے سب اس کو لاڈ و پیار سے پالتے ہیں۔ ہر کوئی اس کی خوشی اور غم میں شریک رہتے ہیں، اگر وہ نظروں سے اوجھل ہوتا اسے دیکھنے کے لیے رشتہ داروں کی آنکھیں ترستی ہیں، اب آپ ایسے آدمی کا تصور کیجئے جو اس دنیا میں تن تنہا ہو، کوئی اس کا رشتہ دار نہیں جو خوشی وغم میں اس کا ساتھ دے سکے، تو آپ خود بخود ایسے انسان کی حسرت و بے چارگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

یہی وہ رشتہ داری اور قرابت داری کا تعلق ہے جسے برقرار رکھنے کی اسلام نے بے انتہا تاکید فرمائی ہے، اور قطع تعلق سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے، یہ دنیا کی ریت ہے کہ انسان جب برسر روزگار ہو جاتا ہے، مہذب اور تعلیم یافتہ بن جاتا ہے تو وہ اپنے سے کمتر رشتہ داروں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کی یہ تربیت فرمائی کہ تم بلندیوں کی چوٹی پر کیوں نہ پہنچ جاؤ، اپنے ماضی کو مت بھولنا، اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ہر وقت ہر لحہ اور ہر آن اچھا سلوک کرنا، یہ تیرا واجبی فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور رشتہ داروں کو ان کا حق دو۔“

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا، اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً 9 مقامات پر رشتہ داروں کو ان کا حق دینے یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے علاوہ بعض دیگر مقامات پر ضمناً اس کا تذکرہ آیا ہے، البتہ نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اکثر مقامات پر یہ فرمایا ہے کہ رشتہ داروں کو ان کا حق دو، جس سے پتہ چلتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، اور ان کے ساتھ امداد وتعاون کا معاملہ کرنا، ان پر احسان نہیں ہے بلکہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اصحابِ حیثیت پر ان کے رشتہ داروں کے معاملے میں عائد کیا ہے۔ اگر وہ اس حق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو وہ عند اللہ مجرم قرار پائیں گے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

”پوری ملتِ اسلامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک واجب ہے، اور قطع رحمی حرام ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ صلہ رحمی کا تعلق فرش سے نہیں بلکہ عرش سے ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

یعنی صلہ رحمی کا عرش کے ساتھ تعلق ہے، کہتا ہے جو مجھے ملائے اللہ اسے اپنے ساتھ ملائے۔ اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹ دے۔

قرآن واحادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے دنیا وآخرت میں بے پناہ انعامات اور اجر وثواب حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ آخرت سے پہلے دنیا میں صلہ رحمی کا فائدہ انسان کی زندگی پر مرتب ہوتا ہے، مثلاً صلہ رحمی کے باعث اس کے رزق میں کشادگی پیدا کردی جاتی ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، اس سے مخلوق محبت کرتی ہے، اور وہ ناگہانی اور بری موت سے بچا لیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جسے یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں کشادگی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے حقوق ادا) کرے۔

اور حضرت عبد اللہ بن احمد رحمہ اللہ نے مسند احمد کے زوائد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جسے یہ بات خوش کرتی ہو کہ اس کی عمر میں اضافہ کر دیا جائے، اور اس کے رزق میں کشادگی پیدا کر دی جائے، اور وہ ناگہانی موت سے بچا لیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرے، اور صلہ رحمی کرے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

صلہ رحمی، ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن اخلاق بستیوں کو آباد کرتی ہے، اور عمر میں اضافہ کرتی ہے۔

ان احادیث پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے دنیا میں ایک انسان کو چار فوائد حاصل ہوتے ہیں: پہلا فائدہ یہ کہ اس سے روزی میں کشادگی ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ کہ اس سے بستیاں آباد اور خوشحال رہتی ہیں۔ اور چوتھا فائدہ یہ کہ اس کے باعث ناگہانی اور بری موت اس سے دور کر دی جاتی ہے۔

جو شخص ان چار فوائد کو اپنے ذہن میں تازہ رکھے گا، کیا ہم تصور کر سکتے ہیں کہ ایسا شخص رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک میں کوتاہی کرے گا؟ ہرگز نہیں، کیونکہ دنیا ہی میں ایک کا دو مل رہا ہے، آخر اس سے بڑھ کر انعام اور کیا ہو سکتا ہے؟

لیکن ٹھہریے! رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کے انعامات صرف دنیا تک محدود نہیں، بلکہ آخرت میں بھی حسن سلوک کا سب سے اچھا بدلہ ملے گا، وہ بدلہ کیا ہو گا؟ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے کوئی ایسا نسخہ بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

تو صرف ایک اللہ کی عبادت کر، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کر، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر، اور صلہ رحمی کر (یعنی قرابت داروں کا حق ادا کر)

یہ ہیں صلہ رحمی کے فوائد دنیا وآخرت میں، لیکن جو لوگ رشتہ داروں سے کٹ کر زندگی گزارتے ہیں، ان سے کسی طرح کا تعلق نہیں رکھتے، خدا را وہ اپنے انجام سے بےخبر نہ ہوں، دنیا میں رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے اعمال اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔

مسند احمد کی روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

بے شک رحمت ایسی قوم پر نازل نہیں ہوتی جس میں کوئی رشتہ داروں سے ناطہ کاٹے ہوئے ہو۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ دنیا میں انسان قطع رحمی کی فوری سزا پاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’ظلم و زیادتی اور قطع رحمی دو جرم ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی سزا کے ساتھ دنیا ہی میں ان کو فوری سزا دے دیتا ہے، ان دو جرموں کے علاوہ اور کوئی جرم ایسا نہیں کہ جس کی سزا کا اللہ تعالیٰ اس طرح اہتمام کرتا ہو۔

یہ تو دنیا کی سزائیں ہوئیں، اور آخرت میں یہی قطع رحمی اسے جنت میں داخل ہونے سے روک دے گی، حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔‘‘

صلہ رحمی کی نوعیت رشتہ دار کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، اگر ہمارا رشتہ دار مالی اعتبار سے بے نیاز ہے، تو اس سے صلہ رحمی یہ ہے کہ اس سے رابطہ رکھا جائے، اس کے احوال کی خبر رکھی جائے، اور موقع ملنے پر اس کی زیارت بھی کی جائے۔ البتہ جو رشتہ دار مالی اعتبار سے کمزور ہو اس کی مالی اعانت بھی دوسرے رشتہ دار کی ذمہ داری ہے۔ مال تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو بطور امانت دیا ہے، اور اس میں غرباء و مساکین کا بھی حق رکھا ہے، جسے مستحقین پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ اور انسان خرچ کرتا بھی ہے، لیکن یہی صدقہ اگر کمزور رشتہ داروں پر کیا جائے، اس کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

’’کسی مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے، اور یہی صدقہ کسی غریب رشتہ دار پر کیا جائے تو اس کی حیثیت دوچند ہو جاتی ہے، ایک صدقہ کی، اور دوسری صلہ رحمی کی۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ ؓ نے اپنی ایک لونڈی آزاد کر دی، اور رسول ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر یہ لونڈی اپنے ماموؤں کو دے دیتی تو تیرے لیے زیادہ اجر کا باعث ہوتا۔

اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے خواتین کو صدقات و خیرات کی ترغیب دلائی، تو دو عورتیں دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ کیا وہ زکوٰۃ کی رقم اپنے خاوندوں اور اپنے پاس زیرِ تربیت یتیم بچوں پر خرچ کر سکتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان کے لیے دوگنا اجر ہے۔ رشتہ داری کے حق کی ادائیگی کا اجر اور صدقے کا اجر۔

آج لوگ رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے، کچھ لوگ خرچ کرتے بھی ہیں تو عام لوگوں پر حالانکہ ان کے رشتہ دار اس سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، اگر اپنے رشتہ داروں پر خرچ کیا ہوتا، تو دوگنے اجر کے مستحق ٹھہرتے۔

کچھ لوگ یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے رشتہ دار ہم سے جلتے ہیں، ہماری ترقی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی، میں کہتا ہوں کہ یہ دراصل صلہ رحمی نہ کرنے کا نتیجہ ہے، اگر صلہ رحمی کی ہوتی خواہ مال کے ذریعہ ہو یا آپسی ملاقات اور خط و کتابت کے ذریعہ تو میں نہیں سمجھتا کہ وہ ہمارے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے، اور اگر کسی کا رشتہ دار ایسی سخت طبیعت کا انسان ہے بھی تو صلہ رحمی کا تقاضا ہے کہ وہ اس کی بات کو برداشت کرے۔

کیا آپ نے پیارے نبی ﷺ کی یہ بشارت نہیں سنی؟ ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں، میں ان سے حسنِ سلوک کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بُرا سلوک کرتے ہیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

اگر تو واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ تو بیان کر رہا ہے تو گویا وان کے منہ میں راکھ ڈال رہا ہے، جب تک تیرا طرزِ عمل ان کے ساتھ ایسا ہی رہے گا، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلے میں ایک مددگار تیرے شامل حال رہے گا۔

صلہ رحمی اصل یہی ہے کہ قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، بدسلوکی کے جواب میں حسنِ سلوک کیا جائے، اور ہر حالت میں رشتہ داری کو برقرار رکھا جائے، یہ سمجھ کر کہ یہ ہمارے پروردگار کا حکم ہے، اس سے ہماری دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی۔

لہٰذا، اگر رشتہ داروں سے کوئی غلطی ہو جائے، اور عذر پیش کریں تو ان کا عذر قبول کریں، ان سے حسنِ ظن رکھیں، ان کے ساتھ نرمی اور خاکساری سے پیش آئیں، ان کے بیچ تکلف سے قطعاً پرہیز کریں، ان کی نفسیات کو سمجھیں، ہر صاحب مرتبہ کو ان کا مرتبہ دیں، اور خوشی و غم کے موقع پر ان کا ساتھ دیں۔

❀❀❀

دعائے مغفرت — إنا لله وإنا إليه راجعون

☆ قرآن اکیڈمی، لاہور کے مدیر شعبہ مطبوعات حافظ خالد محمود خضر کی ہمشیرہ اور تین روز بعد ان کی اہلیہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں۔

☆ حلقہ سرگودھا کے مبتدی رفیق محمد یوسف وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: (بیٹا) 0342-7721648

☆ خانیوال میں رہائش پذیر بانی محترم کے دوست مولانا عباس اختر وفات پا گئے۔

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، ناصر پور کے رفیق مولانا عبدالرحمٰن کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، نوشہرہ تنظیم کے امیر، محترم آصف سیلاج کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ بہاولپور تنظیم کے رفیق مشہود اختر کی والدہ وفات پا گئیں۔

برائے تعزیت: 0306-6094144

☆ حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی، پشاور شہر کے رفیق، محترم عارف اسلام کے والد وفات پا گئے۔

☆ حلقہ ملاکنڈ، سوات کے مبتدی رفیق ہارون الرشید کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0342-9866039

☆ رفیق تنظیم اسلامی وہاڑی جناب غلام رسول کی اہلیہ وفات پا گئیں۔

برائے تعزیت: 0303-5230705

☆ حلقہ پنجاب جنوبی کے منفرد رفیق محمد کامران خالد کے بھائی وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0302-7980636

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاَدْخِلْھُمْ فِیْ رَحْمَتِکَ وَحَاسِبْھُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا

نام کتاب	:	مقالات ختم نبوت
مصنف	:	پروفیسر نذیر احمد تشنہ
ضخامت	:	574 صفحات
قیمت مجلد	:	1000 روپے
ملنے کا پتہ	:	پروفیسر نذیر احمد تشنہ اینچ 419 باب کشمیر بھمبر
تبصرہ نگار	:	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مصنف نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ مرزائیت کی تاریخ اور لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے باپ دادا ہندوستان میں انگریزی راج کے وفادار تھے جنگ آزادی میں اہل وطن سے غداری کی اور انگریزی فوج کا ساتھ دیا۔ اس پر انہیں انعامات سے نوازا گیا۔ مرزا غلام احمد 1837 میں پیدا ہوا پہلے اس نے مہدی اور مسیح موعود کا دعویٰ کیا اور پھر نبی بن بیٹھا۔

زیر تبصرہ کتاب آٹھ مقالات پر مشتمل ہے۔ پہلے مقالے کا عنوان احمدیت ہے جس میں سورۃ صف کی آیت نمبر 6 کی تشریح میں بارہ مفسرین کی تفاسیر سے اسمہ احمد کی وضاحت کی گئی ہے۔ دوسرا مقالہ حقیقت وحی ہے جس میں الہام کی مختلف قسموں کا ذکر ہے مثلاً القا، خواب، تخیل، وجدان، فطرت اور عقل۔ ساتویں حس وحی ہے جو اللہ کے نبی کے بغیر کسی کو ودیعت نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ خاتم الوحی تھے یعنی خاتم النبین۔ تیسرا مقالہ خاتمیت پر ہے۔ وحی سے انبیاء کو ممتاز کیا جاتا ہے۔ وحی کی دو صورتیں رسول اللہ ﷺ کو عطا کی گئیں۔ وحی جلی تو قرآن مجید ہے جبکہ وحی خفی احادیث ہیں۔ اس مقالے میں سورۃ الاحزاب کی آیت 40 کی تفسیر گیارہ ممتاز مفسرین سے نقل کی گئی ہے۔ چوتھے مقالے کا عنوان مسیحیت ہے۔ عیسیٰؑ نبی تھے جنہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور مسلمانوں کے امام مہدی کی نصرت فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ آخری نبی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ آئیں گے تو حضور ﷺ کے امتی ہوں گے۔ دنیا میں ہر طرف امن ہوگا۔ مسلمان اور یہود و نصاریٰ سب حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس مقالے میں سورۃ آل عمران کی آیت 55 کے متعلق چودہ تفسیروں کا حوالہ ہے۔

پانچواں مقالہ مہدویت اور مشرق وسطیٰ ہے۔ مہدویت کا ایک پہلو مذہبی تھا اور دوسرا سیاسی۔ مغرب میں اس کو پذیرائی ملی۔ مہدویت نے اسلام میں بدعات کو شامل کر کے اس کو ناخالص کر دیا۔ اس مقالے میں ان علمائے ربانی کا بھی ذکر ہے جنہوں نے اس منفی تحریک کا مقابلہ کیا۔

چھٹا مقالہ مہدویت برعظیم میں ہے۔ جو مشرق وسطیٰ سے آنے والے صوفیا کے ذریعے پھیلی پنجاب ہمیشہ سے اسلام میں نئے نئے فتنوں کے لیے ساز گار رہا ہے۔ مہدویت کے تحت صوفیاء نے عروج پایا۔ جب کوئی قابل ذکر بندہ فوت ہوتا تو اس کا شاندار مقبرہ بنتا۔ جو جہلاء کی زیارت گاہ بنتا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ نے عجمی عقائد و نظریات کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس تحریک کو وہابی تحریک قرار دے کر بدنام کیا گیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ہم عصروں میں نواب صدیق حسن کو خاص شہرت حاصل ہے۔ انہوں نے مرزا قادیانی کے نظریات کو دلائل کے ساتھ باطل ٹھہرایا۔ دوسرے بہت سے ہم عصر علمائے حق نے مرزا کے دجل کو آشکار کیا۔

ساتواں مقالہ برہان احمدیہ کے عنوان سے ہے۔ یہ بہائی فرقے سے متعلق ہے۔ بہائیوں کے نزدیک بہاء اللہ مسیح موعود ہے جو مسیح سے افضل ہے۔ ایران میں مرزا علی محمد باب نے مہدی موعود کا دعویٰ کیا۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے مہدویت اور مسیحیت دونوں کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب! اپنی کتاب ایام الصلح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعے میرا نام مسیح موعود رکھا ہے۔ مرزا قادیانی کو گورنمنٹ برطانیہ کی سرپرستی رہی اور وہ اپنے نظریات کھلے بندوں پھیلاتا رہا۔

آٹھویں مقالے کا عنوان ہے فتح اسلام۔ قادیانیوں نے پاکستان کی سیاست میں اثر ورسوخ بڑھایا مرزا قادیانی نے آخری نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور خود کو لا نبی بعدی کے الفاظ کا مستحق سمجھا۔ مگر کئی دوسرے لوگ بھی ہیں جو نبوت اور مہدیت کے دعوے دار ہوئے علمائے حق نے قرآن وحدیث میں مرزائیت کے کفریہ عقائد واضح کیے۔ یہاں تک کہ قادیانی مسئلہ پاکستان کی اسمبلی میں پہنچا۔ گیارہ روز تک قومی اسمبلی میں زوردار بحث ہوتی رہی اور نتیجتاً 7 ستمبر 1974ء کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ لاہوری گروپ قادیانیوں سے الگ ہو گیا تھا مگر وہ بھی باطل ٹھہرا۔ اور آئین پاکستان میں مرزائیوں کو کافر قرار دے دیا گیا۔

مصنف نے ہر مقالے کے آخر میں مراجع اور مصادر کی طویل فہرست دی ہے۔ تحقیقی مزاج رکھنے والوں کے لیے یہ مفید کتاب ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ لاہور میں رہائش پذیر آرائیں فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، تعلیم بی اے، پرائیویٹ نوکری، کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0322-4679758

☆ لاہور میں رہائش پذیر اہلحدیث فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 19 سال، تعلیم بی اے، خوب سیرت وصورت، صوم وصلوٰۃ اور شرعی پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسرروزگار، صحیح العقیدہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0321-4841367

دعائے صحت کی اپیل

☆ بہاولپور کے رفیق قمر نواز کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ قارئین اور رفقاء واحباب سے بھی دعائے صحت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا

Odious and Illegitimate Debt: The need for a Debt Audit in Pakistan

The first doctrine of odious debt was developed by Alexander Nahum Sack, a conservative Russian jurist and professor of Law at the University of Saint Petersburg under the Tsarist regime. He developed the doctrine in reaction to the Soviets' repudiation of debt in 1918. He was not in agreement, and went into exile in France and then began compiling a list of all claims involving sovereign debts between the end of the 18th century and the 1920s. He studied the international arbitrations, the jurisprudence and the unilateral acts. Based on all that he created a doctrine of international law that is partly applicable even today. It establishes a general principle that holds that even in the case of a change of government, or more specifically of regime, there is a continuity of international obligations.

Nevertheless, the doctrine includes one fundamental exception: the concept of odious debt, which is based on two criteria. The first criterion is fulfilled if it can be demonstrated that the debts claimed against a State were contracted against the interests of the population of that State. The second criterion is met if the lenders were aware of that fact or cannot demonstrate that it was impossible for them to know that these debts were contracted against the interests of the population. If these two criteria are met, then these debts contracted by a previous government are odious, and the new regime and the population cannot be required to repay them. This doctrine has to be brought up to date because the concept of what is against the interests of a given population has evolved since the 1920s, simply because international law has evolved. That is true above all after the Second World War, when constraining legal instruments like the ICESCR (International Covenant on Economic, Social and Cultural Rights) and the ICCPR (International Covenant on Civil and Political Rights) were put in place and make it possible to determine what is or is not in the interests of a population.

As for illegitimate debt, it can be defined in less constraining terms. Such debt is qualified as illegitimate because it has been accumulated to promote the interests of privileged minorities and does not respect the general interest. For example, that is the case when public debt is contracted to bail out the major shareholders of banks, when in fact it is these same banks that are responsible for the economic stagnation resulting from a banking crisis. In Pakistan, the same can be said for certain individuals involved in laundering money over the

period of several decades. This debt mass corresponds in part to the bailout and plea bargains, but also to a whole series of fiscal gifts given to major corporations and individuals, which do not conform to the principles of fiscal and social justice.

Experts in the field of economics, both mainstream and non-mainstream, have authored a lot on the issue of debt. For example there are people like Kenneth Rogoff, who was chief economist at the IMF, and Carmen M. Reinhart, former Senior Policy Advisor and Deputy Director at the IMF and researcher at the NBER (National Bureau of Economic Research), who co-wrote a book called This Time Is Different: Eight Centuries of Financial Folly, in which they discuss the issue of sovereign debt in depth. There is extensive literature on debt from classical and neo-classical economists, but ironically it is rarely taught in the universities, despite its being a vital issue from a socio-economic and legal point of view. However, as public debt has becomes a central issue, the dinosaurs and conservatives in the universities will no longer be able to avoid debate on subjects such as odious debt, suspension of payment and debt repudiation.

Often disparaged and widely avoided or ignored in university courses, the doctrine of odious debt has nevertheless been the topic of hundreds of articles and dozens of specialized books by a range of experts.

In conclusion, the doctrine of odious debt is a robust one that has evolved and continues to evolve over time, and governments need to find the courage to organise, with the active participation of their citizens, an audit of debt in order to set in motion the process of repudiating debts identified as being odious. We believe that carrying out an audit of the foreign debt (public or national debt) owed by Pakistan, a major chunk of which will definitely prove to be either odious or outright illegitimate, would be a good starting point for us to overcome and eventually eradicate the huge debt burden on our nation – a burden that is not just economic in nature but also has ominous implications on the national interests and sovereignty of our country.

<u>Note</u>: *Written by the Nida-e-Khilafat Team*

Vol: 28 **Regd. No. C.P.L NO.114** NO: 6

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore